مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ قسم اول پانچ روپیہ

چندہ سالانہ قسم دوم تین روپیہ

یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہمدردان اصلاح اپنے پرچوں کی حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر جب ان سے کتاب کے اوراق نکال کر جلد بندھوانے کا ارادہ ہوتا ہے اور کئی کئی نمبر غائب پاتے ہیں تو دفتر میں شکایت کرتے ہیں کہ فلاں فلاں نمبر ہم کو نہیں ملے۔ ان کے بغیر سوانح عمری مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسے حضرات کو خیال کرنا چاہئے کہ دفتر ان نمبروں کو مکرر کیونکر روانہ کر سکتا ہے ہم بغیر سوانح عمری کے لئے کسی طرح پچھلے نمبر روانہ کر دیئے جاتے ہیں مگر آئندہ کے لئے کل حضرات سے التماس ہے کہ رسالہ جس وقت پہونچے پڑھ کر اپنے صندوق یا الماری میں قفل لگا کر بند کر دیا کریں۔ اور جب آخر سال میں تاریخ ائمہ ختم ہو جائے تو ہر نمبر سے اس کے اوراق نکال کر جلد بندھوالیں۔ کل حضرات اس کا خیال رکھیں کہ ایک نمبر پہونچنے پر اگر دفتر میں شکایت آئیگی کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو دفتر اس کو مکرر روانہ کر دے گا لیکن اگر چار یا پانچ نمبر کے بعد قبل کا پرچہ طلب کیا جائیگا تو اسکی قیمت فی نمبر ۸ر آنے پر وہ بھیجا جائیگا۔ مثلاً نمبر ۳ پہونچنے پر اگر کوئی صاحب خبر دیں کہ نمبر ۲ نہیں ملا تو مکرر بغیر قیمت بھیج دیا جائیگا۔ لیکن اگر نمبر ۵ پہونچنے پر خط آیا کہ نمبر ۱ و نمبر ۳ نہیں ملا تھا تو دونوں کی قیمت عہ پہونچنے پر دونوں مکرر بھیجے جائیں گے پس آپ حضرات اپنے پرچوں کی حفاظت کیا کریں۔ دیکھنے کے بعد کسی جگہ لاپروائی سے نہ چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ لیجائیں۔ یہ رسالہ اس قدر نہیں چھپتا کہ ناظرین کو سو دو سو پرچے مکرر جایا کریں۔

سنہ ۵۵ و ۵۶ ہجری کا چندہ جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجا وہ فوراً منی آرڈر سے روانہ کر دیں۔ ورنہ آئندہ نمبر بذریعہ وی پی جائیگا جس میں ۳ر پیسہ زائد خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا۔ خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھیں اور نہ اتنا مال ہے کہ اس کے لئے پوسٹ کارڈ خریدا جائے۔ آپ حضرات اس اطلاع کو کارڈ کی خبر تصور کر کے فوراً چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں نہایت شکر گزار ہونگا کہ وی پی بھیجنا ایک مصیبت بھی ہے۔

کاغذ کی مصیبت بہت بڑھتی جاتی ہے۔ قیمت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ دوسرے اخبارات نے اپنا چندہ بڑھا دیا۔ اب اصلاح کیا کرے؟ اگر آپ حضرات صرف دو جدید خریدار عنایت فرمائیں تو بغیر چندے میں اضافہ کئے رسالہ آسانی سے شائع ہو سکتا ہے۔

تاریخ ائمہ جو مومنین حضرات ائمہ طاہرین کے معرفت نیز حالات جاننا چاہتے ہیں وہ جلد اصلاح کے خریدار ہو جائیں ورنہ تاریخ ائمہ کے طبع ثانی کا انتظار بھی انکے لئے افسوسناک ہوگا۔

اصلاح

نمبر ۳ | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۶ ہجری | جلد ۱۴

التماس دعا کل حضرات ناظرین وہمدردان اصلاح کی خدمت میں گزارش ہے کہ ہماری صحت خراب ہوتی جاتی ہے۔ جب سے خلیفہ اول کی سوانح عمری کی غیر معمولی محنت پڑی ضعف قلب پیدا ہوگیا۔ جاڑے کی فصل میں یہ شکایت خفیف رہتی مگر اپریل سے زیادہ ہوجاتی ہے۔ کل حضرات دعا فرمائیں کہ شافی مطلق صحت کاملہ عطا فرماکر اتنی قوت بھی مرحمت فرمائے کہ دین حق کی جو خدمتیں پیش نظر ہیں خصوصاً (۱) تاریخ ائمہ کی تکمیل (۲) خلیفہ دوم کی سوانح عمری کی اشاعت (۳) تصویر صحیح بخاری کی ترتیب وغیرہ اچھی طرح انجام پاسکیں۔ اور مومنین سے جو وعدے ہم کرچکے ہیں وہ اچھی طرح پورے ہوجائیں۔

سوانح عمری خلیفہ دوم الحمد للہ خلیفہ اول کی سوانح عمری اس درجہ پسند کی گئی کہ تقریباً ہر روز اسکی مدح وثنا میں خطوط آتے رہتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی کتابوں میں یہ ایک نادر اضافہ ہوا ہے۔ تبلیغ مذہب حق میں بھی اس کا بیّن اثر ہورہا ہے اور خدا کے فضل سے مومنین کی تعداد میں اضافہ کا باعث بھی ہورہی ہے مگر اس کے ساتھ مومنین کو اس کا بھی سخت افسوس ہے کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری اب تک شائع نہیں ہوئی۔ برابر اس کا ذکر بھی خطوط میں ہوتا اور حسرت ظاہر کی جاتی ہے۔ یہ بھی لکھا جاتا ہے کہ اپنی عمر کا اعتبار نہیں۔ اگر اس نعمت عظمٰے کے مطالعہ سے محروم رہے تو بڑا ہی رنج رہیگا۔ ان کل ہمدردان دین وملت کی خدمت میں التماس ہے کہ ہم شروع سے کہہ رہے ہیں یہ کام تنہا ایک شخص کے

کرنے سے ویسا مفید نہیں ثابت ہوگا جیسا مطلوب ہے۔ اس لئے بار بار دو معین مصنف کی ضرورت واضح کردی گئی جو سیکڑوں کتابوں کو دیکھیں۔ ان میں سے مضامین نکالیں۔ حالات کی تحقیقات کریں۔ روایتوں کی جانچ پڑتال کریں۔ عبارتوں کا ترجمہ لکھیں۔ غرض اس کی تصنیف میں ہر طرح کی مدد پہونچائیں۔ ان کا حق المحنت پچاس پچاس روپیہ ماہوار کے حساب سے چار سال کا ۴۸۰۰ روپیہ قرار دیا گیا۔ اور ساتھ ہی اسکی بھی ضرورت واضح کردی گئی کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے اپنی "الفاروق" جن کتابوں سے لکھی ان سب کا پیش نظر رہنا بھی نہایت ضروری بلکہ اس سوانح عمری کا سب سے اہم موقوف علیہ ہے اور وہ انشاءاللہ ۳۲۰۰ روپیہ میں مہیا ہو جاتی ہیں پس اگر آپ حضرات اس معمولی مقدار کو جلد مہیا کردیں تو فوراً یہ کام شروع کردیا جائے۔

ناظرین کے افسوس و حسرت سے ہم اس پر بھی آمادہ ہیں کہ اسی سال رجب ۵۶ھ ہجری سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی شائع کرنے لگیں۔ بشرطیکہ مذکورہ بالا کتابوں کا انتظام ہو جائے اور دو معین مصنف بھی مقرر ہو جائیں۔ اس رقم کے انتظام کی بھی بہت آسان صورت لکھی تھی کہ ناظرین اصلاح سے صرف ۹۹، حضرات اسکی کوشش کریں کہ دو دو خریدار دن سے سوانح عمری خلیفہ اول مکمل (قیمتی للعہ) کی قیمت ۸؍ روپیہ اور ایک سے تصویر عزا کی قیمت ۲؍ لیکر بھیجدیں اور اس دس روپیہ کے عوض دفتر سے یہ دونوں کتابیں منگا کر ان خریداروں کو دے دیں۔ اب اس کتاب کی اشاعت آپ کے ہاتھ میں ہے کیونکہ اگر دو مہینہ تک آپ حضرات پوری کوشش کردیں تو ہر شخص کو سوانح عمری خلیفہ اول کا دو اور تصویر عزا کا ایک جدید خریدار ملنا دشوار نہیں ہے۔

اس طرح اگر اس سال ۳۰ جمادی الاولیٰ تک ۹۹، حضرات نے ان دونوں کتابوں کی قیمت روانہ کردی تو انشاءاللہ رجب ۵۶ھ ہجری سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی شاندار سوانح عمری بھی شائع ہونے لگے گی اور آپ حضرات کا افسوس بھی رفع ہو جائیگا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ماہ رجب سے اصلاح کے ساتھ خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی حاضر ہونے لگے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو جلد از جلد سوانح عمری خلیفہ اول مکمل دو جلدوں کی قیمت آٹھ روپیہ اور تصویر عزا ایک جلد کی قیمت ۲؍ جملہ عہ دس روپیہ بھیج دیں اور یہ کتابیں ہم سے منگالیں۔ اس کے جواب سے کل ناظرین جلد ہمیں مطلع کریں تاکہ ہم بھی فیصلہ کرسکیں کہ اسی رجب سے اس سوانح عمری کی اشاعت شروع کردی جائے۔ تین مہینہ کی مدت بھی کافی ہے۔ اگر آپ لوگ کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہوسکتے ہیں۔

لکھنؤ میں سنیوں کا شیعوں پر حملہ

اس ماہ بلکہ اس سال کی نہایت درد انگیز خبر یہ ہے کہ نہم ماہ ربیع الاول کو مومنین لکھنؤ حسب دستور قدیم اپنے مکانوں کے اندر عید زہرا مناتے اور محفل عبادت منعقد کرکے فضائل وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ برادران اہلسنت نے ان بیچاروں پر حملہ کردیا جس کے بعد کئی روز تک لکھنؤ کی گلیوں بلکہ سڑکوں تک پر فتنہ و فساد کا بازار گرم رہا۔ بہت کثرت سے شیعہ زخمی ہوئے اور نہ معلوم کس قدر جان سے مارے گئے۔ اس کے مفصل حالات روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں میں شایع ہو رہے ہیں معلوم ہوتا ہے برادران اہلسنت نے خیال کیا کہ صوبہ متحدہ سے برٹش گورنمنٹ اٹھ گئی اور سنی وزیر اعظم کو خلفاء بنی عباس کا قائم مقام تصور کرلیا۔ نہم ربیع الاول کی محفلیں لکھنؤ میں اس وقت سے قائم ہیں جب سے وہاں مسلمان آباد ہوئے مگر آج کے قبل کبھی اس کے لئے ایسا فتنہ و فساد نہیں ہوا۔ البتہ اس سال چونکہ صوبہ متحدہ کے وزیر اعظم نواب صاحب چھتاری مقرر ہوئے ہیں اور وہ بھی اوسی مذہب کے پابند ہیں۔ غالباً اس سبب سے سنیوں کو جرءت ہوئی کہ طے کریں برٹش راج اٹھ گیا اور بجائے "سوراج" کے "سنی راج" قائم ہوگیا جو چاہو کرو۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ برٹش گورنمنٹ کا اس وقت فرض اولین ہے کہ جلد اس فساد کے اصلی بھید کا پتا لگائے اور وہ پوری تحقیقات کریگی تو ضرور اس نتیجہ پر پہونچیگی کہ برادران اہلسنت اب اپنے ہم مذہب وزیر اعظم کو خلیفہ بغداد کی طرح خلیفۂ لکھنؤ سمجھنے لگے ہیں اور جس طرح اونھوں نے سابق خلفاء بنی عباس کے زمانہ میں بے وجہ شیعوں پر حملے کئے۔ انکو قتل کیا۔ انکو لوٹا۔ ان کے بچوں عورتوں تک کو ذبح کیا۔ ان کے مکانوں میں آگ لگائی۔ انکی عبادت گاہوں تک کو پھونک ڈالا اوسی عہد کو اس وقت لکھنؤ میں دہرانے پر آمادہ ہیں۔ بغداد کے شیعوں پر مدت دراز تک یہ مظالم ہوتے رہے اور تاریخ کے اوراق ان خونی واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم صرف دو سال کا واقعہ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے فی هذه السنة وقعت ببغداد فتنة عظيمة۔ اس سال (۳۶۱ھ ہجری میں) بغداد کے اندر بہت بڑا فتنہ برپا ہوا فنهبت الاموال وقتل الرجال واحرقت الدور وفی جملة ما احترق محلة الكرخ وكانت معدن التجار والشيعة۔ اس فساد میں لوگوں کے مال لوٹ لئے گئے۔ لوگ قتل کئے گئے۔ مکانوں میں آگ لگادی گئی۔ جو جو حصہ جلائے گئے انمیں

محلہ کرخ بھی تھا جہاں تاجروں اور شیعوں کی خاص آبادی تھی بلکہ وہ ان لوگوں کی کان تھا (تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۴۷) ۔ پھر سنہ ۳۶۲ ہجری کے متعلق لکھا ہے کہ وزیر ابو الفضل نے جو نہایت سخت متعصب سنی تھا محلہ کرخ کے شیعوں کو قتل عام کرنے کے لئے فوجیں بھیج دیں ۔ فالقی النار فی عدۃ اماکن من الکرخ فاحترق حریقا عظیما وکان عدۃ من احترق فیہ سبعۃ عشر الف انسان وثلث مأتہ دکان وکثیر من الدور وثلاثۃ وثلاثین مسجدا و من الاموال ما لا یحصے ۔ اس سنی وزیر نے محلہ کرخ کے شیعوں کے بہت سے مکانوں میں آگ لگوادی جس سے ۱۷ ہزار شیعہ جل گئے ۔ تین سو دکانیں پھوک دی گئیں ۔ شیعوں کے بہت سے مکان اور ۳۳ مسجدیں جلا ڈالی گئیں اور مال و اسباب تو اس قدر جلائے گئے جن کا حساب ہی نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۰۶) ۔ بغداد میں بھی ایسا کرنے والے سنی ہی تھے اور لکھنؤ میں بھی یہی ہیں ۔ ایسی حالت میں برٹش گورنمنٹ کا فرض ہے کہ لکھنؤ کو عہد بنی عباس کا بغداد ہونے سے بچائے ۔ راقم جمیل مظفر ساکن بکاگاؤں

کارِ نمایاں

(لکھنؤ میں سنیوں نے شیعوں پر جس بے دردی سے حملہ کیا اوس کے متعلق جناب حکیم آشفتہ صاحب لکھنوی نے حسب ذیل قابل قدر نظم شایع کی ہے)

مسلمانو! بڑے کار نمایاں کر کے بیٹھے ہو ؛ نہ کرتے جو درندے وہ ساماں کر کے بیٹھے ہو
اسی کا نام ہے اسلام کی تعلیم ؟ کیا کہنا ؛ یہی اخلاق ہے کیا قابل تعظیم کیا کہنا
یہی ہیں وہ خصوصیات قومی ناز کے قابل ؛ یہی جوہر ہیں کیا شاباش کی آواز کے قابل
یہی چھپ چھپ کے طفل و پیر کا جو خوں بہاتے ہیں ؛ یہی ہیں وہ بہادر جو مجاہد نام پاتے ہیں
نہ کرتے بھیڑیئے جو کام وہ ور اصل کر آئے ؛ بڑے رن سور نکلے عورتوں کو قتل کر آئے
مسلمانوں کے خوں کی کوئی قیمت بندہ پرور ہے؟ ؛ سنو اسلام میں قتل عمد بھی کوئی جوہر ہے
ضعیفوں پر جفا و جور اور تاویل مذہب کی ؛ ابھی کچھ اور ہونا چاہئیے تفصیل مذہب کی
فروع دین یہی ہیں جو اصول دیں سکھاتے ہیں ؛ یہی ڈنڈے[1] ہیں جو فردوس کی راہیں دکھاتے ہیں
یہی ہیں یادگار سلف جو ہر ادھر دیکھو ؛ اوٹھاؤ گردنیں خونخوار آنکھوں کا اثر دیکھو

[1] یعنی مدح صحابہ کا چاریاری جھنڈا ۔ ۱۲

جہنم بھر کے رگ رگ میں شقاوت کے عداوت کے ::: چلے ہیں جوڑنے ٹوٹے ہوئے رشتے محبت کے
بھرم کھل جائے یہ چندے یہ نذرانے جو رک جائیں ::: مزا آجائے گر مذہب کے دیوانے یہ رک جائیں
وہ مذہب جو سکھائے طرز خونخواری وہ مذہب ہے ::: وہ مذہب جو پڑھائے درس بیزاری وہ مذہب ہے
وہ مذہب ہے کوئی مذہب شجاعت جس سے کھو جائے ::: وہ مذہب ہے کوئی مذہب جہاں تہذیب سو جائے
وہ مذہب کیا جہاں ہٹ دھرمیوں سے رنگ سچے ہوں ::: ترس کھانے کے قابل جس میں بوڑھے ہوں نہ بچے ہوں
وہ مذہب جو سر پر آسماں ڈھانے کا قائل ہو ::: جہاں عورت سی صنف ناتواں ظلموں کے قابل ہو
لگا کر اپنے گھر میں آگ خود شعلوں سے کھیلے ہیں ::: خدا رکھے بڑے رستم ہیں کیا کیا ظلم جھیلے ہیں
وہ بہنیں جن کو بے وارث بنایا ہے بلکتی ہیں ::: اجل کی گود میں فاقوں کے مارے اب سسکتی ہیں
اوٹھو معصوم بچے یتیموں کی گود سے لے لو ::: ذرا شرماؤ ان کو کر کے چندے ہی کفن دیدو
تمہارے ہاتھ کے مارے ہوئے زخمی کدھر جائیں ::: کہاں سے اب کریں مزدوریاں کیا لیکے گھر جائیں
تمہارا تو یہ دعوے تھا کہ ہم ہیں مصلح عالم ::: عرب سے ہند تک لہرائے ہیں تہذیب کے پرچم
ہمیں نے ظلم کی بنیاد دنیا سے مٹائی ہے ::: ہمیں نے اہل عالم کو رواداری سکھائی ہے
ادھر دعووں کو دیکھو اور ادھر کردار کو دیکھو ::: ملا کر اک ذرا گفتار سے رفتار کو دیکھو
ہمیں تو شرم آتی ہے یہ کہتے ہیں مسلماں ہیں ::: نہ ہو انسانیت جس میں وہ انسان خاک انساں ہیں

(منقول از اخبار النجم لکھنؤ ۲۰ ربیع الاول ۵۶ھ ہجری)

حضرت رسولخدا کے متعلق عقائد اہلسنت

ماہ ربیع الاول میں حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت باسعادت واقع ہوئی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؐ کے متعلق حضرات اہلسنت کے کچھ عقائد کا ذکر لطیف ہو۔ یہ تو مخصوصات شیعہ سے ہی کہ وہ آنحضرتؐ کو قبل از بعثت بھی مسلم جانتے ہیں اور بعد بعثت بھی۔ مگر حضرات اہلسنت کا اعتقاد اس کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت قبل از بعثت معاذ اللہ بت پرست تھے۔ چنانچہ ان حضرات کے جلیل القدر پیشوا علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے "بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ آنحضرت صلعم پہلے کافر تھے۔ پھر خدا نے آپکی ہدایت کی اور آپ کو نبی بنایا۔ چنانچہ خدا نے جو قرآن مجید میں وجدک ضالا فھدی فرمایا ہے اس کا مطلب کلبی نے یہ کہا کہ مراد

اس سے یہ ہے کہ آپ بھی کافر تھے قوم گمراہ میں ۔ پس خدا نے آپکی ہدایت توحید کی طرف کی ۔ اور دوسرے بزرگ سدی نے کہا کہ حضرت اپنی قوم (کفار قریش) کے مذہب پر چالیس سال تک تھے ۔ تیسرے بزرگ مجاہد بیان کرتے تھے کہ مراد وجدک ضالاً سے یہ ہے کہ آپ ہدایت سے گمراہ تھے ۔ پس خدا نے اپنے دین کی ہدایت کی (تفسیر کبیر جلد ۸ صہ ۶۰۲) ان عبارتوں سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان حضرات کے دل میں حضرت رسولخدا صلعم کی کیا حقیقت ہے اور کہاں تک وہ حضرت کو ہدایت کے قابل سمجھتے ہیں اس لئے کہ جو شخص چالیس سال تک خود بت پرست رہا ہوگا وہ دوسروں سے کس طرح کہ سکتا ہے کہ یہ اچھا کام نہیں بلکہ گمراہی ہے ۔ زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ صرف قبل نبوت ہی حضرت پر بت پرستی کا الزام نہیں قائم کیا گیا بلکہ بعد بعثت کے متعلق بھی اصرار ہے ۔ چنانچہ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "آنحضرت صلعم نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی ۔ کفار بھی موجود تھے ۔ جب آپ نے یہ آیت پڑھی ومناة الثالثة الاخرے تو شیطان نے آپکی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے تلک الغرانیق العلے وان شفاعتهن لترتجے ۔ یعنی یہ بت معظم و محترم ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے ۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپکی متابعت کی ۔ یہ قصہ اگرچہ سرتاپا بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے اور اکثر محدثین مثلاً بیہقی ۔ قاضی عیاض ۔ علامہ عینی حافظ منذری علامہ نووی نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بسند نقل کیا ہے ۔ ان میں طبری ۔ ابن ابی حاتم ۔ ابن المنذر ۔ ابن مردویہ ابن اسحاق ۔ موسےٰ بن عقبہ ۔ ابو معشر شہرت عام رکھتے ہیں ۔ اس سے بڑھکر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے چنانچہ لکھتے ہیں "وقد ذکرنا ان ثلاثة اسانید منها علے شرط الصحیح وهی مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمراسیل ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں ۔ اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کرسکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قائل ہیں" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صہ ۱۷۶) ۔ اسی طرح حضرت عائشہ سے تعلقات کے متعلق ان حضرات کے ایسے اعتقادات ہیں کہ کسی آریہ یا عیسائی شخص کے سامنے ان کا ذکر ہوتا ہے تو کسی مسلمان کی غیرت اسکی مقتضی نہیں ہوتی کہ ان غیر مسلم احباب سے

آنکھیں بھی چار کر سکے بلکہ شرم سے گڑ جاتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلعم کے متعلق اردو کتابوں تک میں یہ چیزیں لکھ کر شائع کی جا رہی ہیں " آپ اکثر حضرت عائشہ کے ساتھ ایک دسترخوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمر گزرے آپ نے ان کو بھی بلا لیا اور تینوں نے ایک ساتھ کھایا (قبل نزول حجاب) کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ وہی ہڈی چوستے جس کو حضرت عائشہ چوستی تھیں [۱] پیالہ میں وہیں پر منہ رکھکر پیتے تھے جہاں حضرت عائشہ منہ لگاتی تھیں۔ ایک دفعہ دونوں ساتھ کھانے میں مصروف تھے کہ حضرت سودہ شکایت لے کر پہونچیں کہ عمر مجھ کو ضرورت سے بھی باہر نکلنے میں ٹوکتے ہیں۔ راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا اس لئے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپکی دعوت کی۔ آپ نے فرمایا عائشہ بھی ہونگی؟ اوس نے کہا نہیں ارشاد ہوا تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔ میزبان دوبارہ آیا اور پھر یہی سوال وجواب ہوا اور وہ واپس چلا گیا۔ تیسری دفعہ پھر آیا۔ آپ نے پھر فرمایا عائشہ کی بھی دعوت ہے؟ عرض کی جی ہاں۔ اس کے بعد آپ اور حضرت عائشہ دونوں لپک اس کے گھر گئے" (سیرۃ عائشہ صہ ۵۷) اس واقعہ پر مصنف کتاب نے یہ حاشیہ دیا ہے " محدثین بیان کرتے ہیں کہ آپ کے تنہا دعوت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اُس روز خانہ نبوی میں فاقہ تھا۔ آپ نے مروت اور لطف اخلاق سے دور سمجھا کہ گھر کی بیوی کو بھوکی چھوڑ کر خود شکم سیر کروں۔ پڑوسی نے اس لئے دو دفعہ انکار کیا کہ اوس کے ہاں سامان

---

[۱] اس جملہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا کہ آنحضرت صلعم اوسی ہڈی کو کیونکر چوستے تھے۔ کیا جس ہڈی کو معظمہ چوستی تھیں اس کو اوسی وقت آنحضرت بھی چوسنے لگتے تھے یعنی آدھی ہڈی حضرت عائشہ کے منہ میں ہوتی تھی اور آدھی حضرت رسولخدا صلعم کے منہ میں؟ یا جب حضرت عائشہ چوس چکتی تھیں تب حضرت اس ہڈی کو چوستے تھے مگر پھر تو ہڈی میں گوشت یا شوربا رہتا نہیں ہوگا۔ پھر حضرت صلعم کیا چوستے تھے کیا صرف حضرت عائشہ کا وہ مصالحہ دار لعاب دہن جو اوسی ہڈی میں لگ جاتا تھا؟ (جس طرح حضرت عائشہ کی اُس مسواک کو بھی چوسا تھا جو انھوں نے اپنے لعاب دہن سے نرم کرکے آپکو آپکی وفات کے وقت دی تھی)

ایک ہی آدمی کے مطابق تھا۔ تیسری دفعہ کچھ اور سامان کر کے حاضر ہوا (سیرۃ عائشہ صفحہ ۵۰) مگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس روایت کے صحیح سمجھنے سے حضرت رسولخدا صلعم پر اخلاقی کے بڑے بڑے اعتراضات ہوتے ہیں (۱) آپ نے مومن کی دعوت رد کی (۲) دوبارہ وہ آیا اور دوبارہ آپ نے اسکی دعوت رد کر کے اس کو ذلیل کیا (۳) آپ نے انتہائی خود غرضی کو راہ دیا کہ حضرت عائشہ کا پیٹ بھرنے کے لئے آپ نے بھی کھانے سے انکار کیا جس طرح نفس پرست لوگ دوسروں کا مال کھینچنے میں ہر ممکن تدبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نے اپنی بیوی کی شکم سیری کے لئے انکار اور ضد سے کام لیا (۴) جب اس پڑوسی نے پہلی دفعہ حضرت عائشہ کی دعوت سے انکار کیا اسی وقت حضرت کو معلوم ہو گیا کہ اس کے ہاں بھی فقر کی حالت ہے۔ کسی خاص وجہ سے اس نے صرف آپکی دعوت کی ہے۔ آپ کو خاموشی سے اس کے ساتھ چلے جانا تھا مگر اس کے خلاف کیا (۵) دوبارہ اس نے آکر اپنی عسرت اور تنگدستی کو زیادہ واضح کر دیا مگر حضرت نے اپنی ضد نہیں چھوڑی اور اس غریب کا کچھ بھی خیال نہیں کیا (۶) اگر آپ نے حضرت عائشہ کو بھوکی چھوڑ کر خود کھانا مروت کے خلاف سمجھا تو اپنی بیوی کے لئے دو دو مرتبہ اصرار کرنا کس طرح پسند کیا؟ یہ کس درجہ کی بداخلاقی اور بے مروتی تھی (۷) اگر خانۂ نبوی میں فاقہ تھا تو آپ نے صرف حضرت عائشہ کے کھانے کی فرمائش کیوں کی۔ کیا صرف وہی آپ کی بیوی تھیں؟ اور بیویاں پتھر کی بنی ہوئی تھیں کہ اُن کو بھوک کی شکایت نہیں تھی؟ اگر کہا جائے کہ دوسری بیویوں کے پاس کھانے کو تھا صرف حضرت عائشہ کے پاس نہ تھا تو حضرت نے دوسری بیویوں ہی سے کہ کر حضرت عائشہ کو بھی کیوں کھانا نہیں کھلوا دیا اور اُس غریب پڑوسی پر اسکی طاقت سے زیادہ بوجھ کیوں ڈالا؟ (۸) خدا نے فرمایا ہے:۔ یوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ۔ وہ لوگ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم نے اس صفت کے خلاف خود کیوں عمل کیا؟ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان سب سے کوئی بات نہیں تھی صرف یہ کھانے کے لئے کہ حضرت رسولخدا حضرت عائشہ پر ایسے فریفتہ اور عاشق تھے کہ بغیر ان کے حضرت کو کھانا بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا اور بغیر ان کے حضرت کسی کی دعوت بھی قبول نہیں کرتے تھے۔

یہ باتیں بنائی گئیں۔ حالانکہ خدا نے حضرت کے اخلاق کی یہ تعریف فرمائی ہے انک لعلیٰ خلق عظیم

اے رسول یقیناً تم بڑے اخلاق والے ہو۔ لطف یہ ہے کہ جس قدر حضرت رسولخدا صلعم کی فریفتگی کی باتیں لکھی گئیں اسی درجہ حضرت عائشہ کی بے رخی کے حالات بھی جمع کئے گئے مثلاً ایک سفر میں حضرت عائشہ اور حفصہ دونوں ساتھ تھیں۔ رات کو بلاناغہ آپ حضرت عائشہ کی محمل میں تشریف لاتے اور جب تک قافلہ چلا کرتا باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہ نے کہا لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ رات ہوئی تو حسب معمول آپ حضرت عائشہ کی محمل میں تشریف لائے۔ دیکھا تو حفصہ تھیں۔ آپ سلام کرکے بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہ تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاو ڈالا تو حضرت عائشہ سے ضبط نہ ہو سکا محمل سے اُتر پڑیں۔ دونوں پاؤں گھاس پر رکھدیئے اور بولیں خداوندا میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ تو کوئی بچھو اور سانپ بھیج جو مجھ کو آکر ڈس لے (سیرۃ عائشہ صـ) ایک دفعہ حضرت عائشہ کے سر میں درد تھا آنحضرت کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا اور اپنے ہاتھ سے تمہاری تجہیز و تکفین کرتا۔ تمہارے لئے دعا کرتا۔ عرض کی یا رسول اللہ آپ میری موت مناتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو آپ اِسی حجرے میں نئی بیوی لاکر رکھیں" (سیرۃ عائشہ صـ۵۹) فقط سید ظہیر حیدر مولوی عالم

تعلیم نسواں

دام فیوضکم۔ تسلیم۔ اصلاح نمبر۲ میں زنانہ کالج امرتسر کے اغوا کے واقعہ پر آپ نے جو نوٹ لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس زمانہ کی تعلیم نسواں کو ناپسند کرتے اور اس کو مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ پھر کیا عورتیں جاہل رکھی جائیں؟ یا ان کو زیور علم سے آراستہ نہ کیا جائے یا ان کو مثل جانوروں کے بنایا جائے؟ اگر آپ کہیں کہ صرف مذہبی تعلیم دی جائے تو قصور معاف آپ حضرات نے ان بیچاریوں کی مذہبی تعلیم کا بھی تو کوئی انتظام نہیں کیا۔ آج اگر کوئی شخص چاہے کہ صرف مکان کے اندر رکھکر اپنی لڑکیوں کو مذہبی تعلیم خود دے تو فرمایئے کس نصاب تعلیم کو اختیار کرے۔ بس قاعدہ بغدادی اور قرآن مجید تک تو پڑھا سکتا ہے۔ اس کے بعد کیا ہے جس کی تعلیم دینے سے لڑکیوں کو مذہبی تعلیم حاصل ہو سکتی ہے۔ لے دے کر صرف ایک تحفۃ العوام ہے کہ اگر بوڑھی عورت پڑھے تب بھی وہی۔ جوان عورت پڑھے تب بھی وہی۔ جوان لڑکیاں پڑھائی جائیں

تب بھی وہی اور چھوٹی بچیوں کو تعلیم دی جائے تب بھی اسی کی۔ حالانکہ بچیوں کو تحفۃ العوام پڑھانا بہت مشکل ہے کہ ہر سطر میں فارسی یا عربی کا کوئی لفظ ضرور ہوتا ہے جو بچیوں کے ذہن میں جلد نہیں آتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ جناب والا نے تصویر عزا رکتاب جیسی آسان زبان میں لکھی ہے ویسی ہی کوئی مذہبی کتاب بچیوں کے پڑھانے کی نہیں ملتی۔ کیا خوب ہو کہ آپ ہی کوئی اور زیادہ آسان عام فہم اور دلچسپ عبارت میں ایک مختصر کتاب چھوٹی بچیوں کے لئے لکھ دیں۔ جس میں ان کے لئے مذہب کی کل ضروری باتیں درج کر دی جائیں اور بچیاں اس کو شوق سے پڑھیں ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے۔ مثلاً کوئی ناول ہی نہایت مہذب ہو اور اس میں بطور قصہ کے اصول دین۔ فروع دین۔ عقائد و اعمال و ضروری امور ایمان درج کر دیئے جائیں مگر اس کا بھی خاص خیال رہے کہ وہ کتاب مختصر ہو اور اسکی قیمت بہت کم رکھی جائے۔ کسی طرح ایک روپیہ یا سوا روپیہ سے زیادہ نہ ہو تاکہ ہر غریب بچی تک وہ کتاب پہونچ سکے۔ یہ بھی مذہب کی ایک اہم خدمت ہے۔ جناب عالی کو اس طرف جلد توجہ کرنی چاہیئے۔ برادران اہلسنت میں دن رات لڑکوں لڑکیوں کے لئے مذہبی نئی نئی کتابیں بہت دلچسپ اور مفید نکلتی رہتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہم لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور صرف اوسی ایک تحفۃ العوام یا زیادہ سے زیادہ تحفہ احمدیہ پر پڑے ہوئے ہیں جن کے پڑھانے کے لئے جب تک والدین کوئی خاص مولوی صاحب نہ رکھیں اوس وقت تک لڑکیوں کا ان کتابوں کا پڑھنا تقریباً ناممکن ہے۔ ضرورت ایسی کتاب کی ہے کہ معمولی لکھی پڑھی مائیں بھی خود اپنی بچیوں کو وہ کتاب آسانی سے پڑھا دیں۔ اور بچیوں کے ذہن میں وہ چیزیں اچھی طرح جم جائیں۔ فقط بشیر حسن۔

شیعوں کو تعدد ازدواج کی ضرورت

مکرمی۔ سلام مسنون۔ اصلاح بابت ماہ محرم ۱۳۵۶ھ ص ۲۲ پر مضمون زیر عنوان "ہندوستان میں شیعوں کی زندگی" نظر سے گزرا۔ آغا جعفر صاحب نے شیعیان علی کو نہایت سنہری اور مفید رائے دی ہے لہذا بندہ بھی اس نیک رائے پر عمل پیرا ہو کر دنیا و دین کا فائدہ اوٹھانا چاہتا ہے۔ مگر بذات خود تلاش کرنے سے قاصر ہوں۔ اس وجہ سے رسالہ اصلاح کے ذریعہ سے اعلان کرتا ہوں کہ میں نکاح ثانی کرنا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ رشتہ سادات میں ہو۔ عمر بیس سال سے زائد نہ ہو سلیقہ شعار۔ امور خانگی سے واقف۔ سادگی پسند۔ مغربیت اور نئی روشنی سے بے بہرہ۔ مذہب حقہ

شیعہ اور تعلیم مذہبی۔ اگر خاندان سادات میں ممکن نہ ہو سکے تو کسی دیگر شریف النسب رشتہ کے لئے کوشش کی جائے۔ میری عمر اس وقت ۳۰۔ ۳۵ کے درمیان ہے۔ صحت بفضلہ نہایت اچھی ہے۔ منکوحہ بیوی موجود ہے۔ بچے بھی ہیں 150/ روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا ہوں زمینداری کی آمدنی کافی سے زیادہ ہے۔ خدا کا فضل وکرم ہے گزارہ معقول ہے۔ علاوہ ازیں اگر کوئی بات میرے متعلق قابل دریافت ہو تو تحریر فرمایئے۔ فقط م۔ ح از ضلع الموڑا

اصلاح ضلع الموڑا کے قرب وجوار کے مومنین اس کی سعی کر کے دفتر اصلاح میں خبر دیں کہ ممدوح کو لکھ دیا جائے۔ ہمیں اپنی تعداد بڑھانا ضروری ہے۔

۱۳۵۶ سنہ ہجری کے تاریخی نام محمد سعید خصلت۔ شفاعت پنجتن۔ چودھری رضی حسن اغنی رسول۔ رسول غنی۔ سید نذر علی حیدر۔ دانش رضا منظور نقی۔ معتقد قایم خاں۔ محمد معتقد مہدی خاں۔ عباس رضا حیدر۔ غلام احمد کبیر۔ سید کبیر معظم۔ معظم شاہ۔ ضمیر شاہ۔ محمد بخشش نبی۔ قمر رضوی۔ سید غنی حیدر۔ قاضی نصیر الدین۔ قاضی سفیر الدین۔ محمد منظور سجاد۔ محمد نذر قدیر۔ خواجہ شریف قائم۔ سید الیاس ظفر۔ خواجہ اشرف نقی۔ محمد خیرات احمد۔ آغا اسلام حیدر۔ محمد خورشید سعید۔ شیخ شمس ولی۔ شیخ قیصر ولی۔ شیخ گلشن ولی۔ محمد ظفر الاحمد۔ محمد ظل الباقر۔ مرزا ظل حسنین۔ مخدوم یوسف تقی۔ مرزا محمود رضی۔ سید محمد ظریف۔ سید ظریف محمد۔ نذیر المہدی شاہ۔ سید مظفر نبی۔ مرزا عبد الرضا۔ سید غلام اسمعیل۔ محمد ظہیر الحسن۔ مہر علی رضا۔ رضی ہاشم۔ منظور اللطیف۔ مشہود رضا۔ تفضل الٰہی۔ تفضل ولی۔ محمد مبارک رضا

لڑکیوں کے نام فریدہ خاتون۔ قمر راضیہ۔ خیرات سکینہ۔ انوار الخواتین۔ سیدہ طاہرہ خاتون جمیل اختر بیگم۔ سیدہ ماہ رخشندہ بیگم۔ لطافت سکینہ خانم۔ نظیف الزہرا بیگم۔ بلند اختر زینب

خواجہ حسن نظامی صاحب اور حاجی ثناء اللہ صاحب خواجہ حسن نظامی صاحب صوفی جماعت ہندوستان کے مقتدا، اور حاجی ثناء اللہ صاحب امرتسری اہلحدیث حضرات کے سردار ہیں۔ خواجہ صاحب نے حضرت علیؑ کے قرآن مجید کے متعلق ایک نوٹ دیا تھا جس پر اڈیٹر صاحب اہلحدیث بہت خفا ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحب شیعہ مذہب کی طرف جھکتے جاتے ہیں اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے جو لکھا ہے اس کے چند جملے خاص طور پر قابل غور ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس نوٹ کے جواب میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے شیعیت سے کچھ بھی تعلق نہیں

ہے ... اور میں سُنی فرقہ کو بھی جس میں میرے دوست مولانا ثناء اللہ صاحب اہلحدیث کا جھنڈا لئے کھڑے ہیں سیدھے راستہ پر نہیں سمجھتا... میں ان سب سے بری ہوں اور یہی میرا ابتر ا ہے ... البتہ مجھے اس پر اصرار ہے کہ آپ کے محدثین نے بنی فاطمہ اور بنی ہاشم پر حکومتوں کے دباؤ یا دنیا کی طمع سے علمی ظلم کئے ہیں۔ اور وقت آگیا ہے کہ میں ان تمام جرائم کو طشت از بام کروں۔ ورنہ مجھے نہ شیعوں سے کچھ تعلق ہے نہ آپ جیسے سینوں سے جنکی آنکھیں حق و عدل کی دید سے بند ہو گئی ہیں اور جن کے کان سماعت حق سے بہرے ہو گئے - اور وہ صُمٌّ بُکْمٌ رہنا اہلحدیث کا طرہ امتیاز تصور کرتے ہیں بسم اللہ میدان میں آیئے۔ حسن نظامی" (اخبار منادی دہلی ص ۱۱ مئی ۱۹۳۷ء)

مدح صحابہ کے خلاف سُنی اخبارات کی ایما

مدح صحابہ کے متعلق بکثرت سنی اخبار و رسائل بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ایجاد صرف شیعوں کے چڑانے کو کی گئی چنانچہ اخبار النجم لکھنؤ لکھتا ہے:۔

"ذرا ان سُنی جرائد کی ذہنیت تو ملاحظہ کیجیے

اس وقت مدح صحابہؓ کے سلسلہ میں جو کمیشن ہو رہا ہے اس میں شیعہ حضرات نے اپنے مذہب کی حمایت میں جہاں اور بہت سے دعاوے پیش کئے ہیں وہاں ایک چیز یہ بھی نمایاں طریق پر پیش کی ہے کہ اہلسنت و جماعت کے بہت سے مقتدر حضرات اس تحریک مدح صحابہؓ کو سنیوں کی زیادتی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ کمیشن کے رو برو شیعہ وکیل مسٹر حیدر مہدی نے سات سُنی جرائد کے نام پیش کئے ہیں۔ جن کے اقتباسات سے وہ اپنے اس دعوے کو ثابت کریں گے وہ جرائد یہ ہیں:۔ اخبار ہند کلکتہ۔ رسالہ نگار لکھنؤ۔ اخبار نظام دہلی۔ اخبار مشرق گورکھپور اخبار پیام دکن۔ اخبار حق لکھنؤ۔ اخبار خورشید سندیلہ۔

ہند کے متعلق صرف اتنا کہ دینا کافی ہے کہ اس اخبار اور اس کے ایڈیٹر کا کوئی مسلک نہیں یہ صاحب دین کی تمام باتوں کے خلاف جنگ کرنا اپنی سعادت خیال کرتے ہیں۔

نگار۔ ایک ادبی رسالہ ہے اور اس کے ایڈیٹر مسٹر نیاز فتحپوری ہیں آپ کے کفر و ارتداد پر علمائے کرام کے بہت سے فتاوے ہو چکے ہیں۔

پیام مشرق ایک سیاسی روزنامہ تو ضرور ہے مگر مذہبی معاملات میں اسکی رائے کا اعتبار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی ناواقف انگریزی اردو زبان پر اپنے خیالات ظاہر کرنا شروع کردے۔ باقی اور جتنے نام درج کئے گئے ہیں ان کو دنیائے صحافت میں ذرہ برابر بھی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔

بہرحال مسلمان اور ناظرین النجم خصوصاً ان مدعیان اسلام جرائد اور ان کے ایڈیٹروں کی ذہنیت ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد ایسے نمایندوں کے متعلق اپنی رائے کا فوری اظہار کریں"۔ (النجم ۲۵ صفر ۱۳۵۶ھ ہجری)

اصلاح آپ حضرات کا تو قدیم شیوہ ہے کہ جس راوی کو حق گو دیکھا اوسے یا شیعہ رافضی کہہ دیا یا جھوٹا مفتری کا خطاب دے دیا۔ امام شافعی۔ امام نسائی۔ علامہ طبری تک کو جب آپ لوگوں نے نہ چھوڑا تو اس زمانہ کے انصاف بیں اخبارات ورسائل اہلسنت کو کیوں نہ برا کہیں گے۔

عقد حضرت ام کلثوم اور اخبار اہلحدیث امرتسر اخبار اہلحدیث امرتسر میں ایک طولانی مضمون عقد حضرت ام کلثوم کے متعلق شائع ہوا ہے۔ افسوس ہے کہ جس طرح عیسائی اور آریہ صاحبان اسلام اور حضرت رسولخداؐ کے متعلق صرف اپنی کہے جاتے اور مسلمانوں کی ایک نہیں سنتے ہیں بالکل اسی طرح سنی برادران مذہب شیعہ اور ائمہ طاہرین کے متعلق اپنی گفتگو کئے جاتے اور حقیقت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ آپ دعوے کرتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم دختر جناب سیدہ کا عقد معاذ اللہ حضرت عمر سے ہوا۔ اسکی دلیلیں دو قسم کی ہوسکتی ہیں۔ یا سنیوں کی حدیث وسیرۃ وتاریخ کی شہادتیں یا شیعہ کتابوں کے بیانات۔ چونکہ آپ حضرت عمر کے فضائل میں اس واقعہ کو ذکر کرتے ہیں اس وجہ سے آپ کا فرض ہے کہ اس کا ثبوت پہلے اپنی مذہبی کتب سے پیش کیجئے۔ جب اس میں آپ کامیاب ہوجائیں اور شیعوں پر ثابت کردیں کہ کتب اہل سنت سے اس عقد کا ہونا صحیح معلوم ہوتا ہے اس وقت اگر شیعہ انکار کریں تب انکی کتابوں سے آپ احتجاج کریں۔ ہمارا تو دعوے ہے کہ آپ نہ کتب اہلسنت سے اس کو ثابت کرسکتے ہیں نہ کتب شیعہ سے۔ آپ کس دلیری سے لکھتے ہیں کہ "ولدیت ام کلثوم کا ثبوت ہم بحوالہ کتاب تہذیب الاحکام دے چکے ہیں جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔ ماتت ام کلثوم بنت علی وابنھا زید ابن عمر بن خطاب فی ساعۃ واحدۃ (حضرت علی کی بیٹی ام کلثوم

اور اس کا بیٹا زید ابن عمر ایک ہی وقت میں فوت ہو گئے" (اہلحدیث ۱۰ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)
اگر آپ انصاف سے دیکھیں تو یہی عبارت اسکی قطعی دلیل ہے کہ وہ ام کلثوم دختر جناب امیر نہیں تھیں
اس لئے کہ وہ اپنے فرزند زید کے ساتھ ایک ہی دن مرگئیں۔ اور کل مورخین کہتے ہیں کہ یہ دونوں
عہد معویہ میں مرگئے اور حضرت امام حسنؑ نے دونوں کے جنازے کی نماز پڑھی پس جب ام کلثوم
وہ تھیں جو حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں مرگئیں تو واضح ہے کہ یہ وہ نہیں ہو سکتیں جو واقعہ کربلا میں
موجود تھیں۔ اور کل مورخین اس کی بھی تصریح کر رہے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کی حقیقی بہن جناب ام کلثوم
واقعہ کربلا میں جو شہادت حضرت امام حسنؑ کے گیارہ سال کے بعد ہوا موجود تھیں۔ اور اسکی
بھی تصریح ہے کہ جناب سیدہ کی بیٹی دو ام کلثوم نہیں بلکہ ایک ہی تھیں۔ پس اگر وہ حضرت امام
حسنؑ کے سامنے مرگئی تھیں تو واقعہ کربلا میں کیسے موجود رہیں؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ
وہ کلثوم جو حضرت عمر سے بیاہی گئیں وہی تھیں جو حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھیں اور
چونکہ حضرت ابوبکر کی بیوہ سے جناب امیرؑ نے عقد کر لیا تھا اور وہ ام کلثوم ان کے ساتھ
جناب امیرؑ کے گھر آگئی تھیں اس سبب سے ان کو لوگ بنت علی کہنے لگے اور یہ مجاز عرب میں
شائع و ذائع تھا۔ جب زید باوجود غلام ہونے کے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ رہنے کی
وجہ سے آنحضرتؐ کے فرزند کہے جاتے تھے تو ام کلثوم اپنی ماں کے ساتھ جناب امیرؑ کے
گھر رہنے کی وجہ سے آپکی بیٹی کیوں نہ کہی جائیں؟ پس اگر ان ام کلثوم کو آپ اس وجہ سے
حقیقی دختر جناب امیر کہتے ہیں تو جناب زید کو بھی حقیقی فرزند جناب رسولخداؐ کہیے۔ یہ بھی آپ لوگوں
کے دعوے باطلہ کا زبردست جواب ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب سیدہ اوس وقت تک زندہ
رہیں کہ واقعہ کربلا میں شریک ہو گئیں اور وہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی بیوی بتائی جاتی ہیں گیارہ
بارہ برس پہلے مرچکی تھیں پس یا یہ کہئے کہ جناب ام کلثوم کربلا میں نہیں تھیں۔ یا یہ کہئے کہ وہ
عہد معویہ میں نہیں مریں۔ یا یہ کہئے کہ حقیقت میں دو ام کلثوم تھیں ایک زوجہ حضرت عمر جو جناب
سیدہ کی بیٹی نہیں بلکہ حضرت ابوبکر کی صاحبزادی تھیں جو معویہ کے زمانہ میں اپنے فرزند زید
کے ساتھ مریں۔ دوسری وہ جو حضرت عمر کی زوجہ نہیں تھیں بلکہ جناب سیدہ کی صاحبزادی
تھیں اور وہ واقعہ کربلا میں موجود رہیں۔ خدا کرے آپ ٹھنڈے دل سے اس مضمون کو پڑھیں
اور آریوں کی تقلید چھوڑ سکیں۔ تاکہ راہ حق نظر آسکے۔ فقط ظہیر حیدر مولوی عالم

جواب خطوط کی معذرت

ہمدردان اصلاح کے بکثرت خطوط اس طرف دفتر میں آئے ہوئے پڑے ہیں جن کی تعمیل اب تک نہ ہوسکی۔ اس طرف ہم کو ضعف قلب کی شکایت زیادہ رہی۔ دفتر کا کام بہت کم ہوسکا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا جو کچھ موقع ملا رسالہ کے مضامین کی ترتیب اور تاریخ ائمہ کی تصنیف وتالیف میں صرف ہوا۔ وہ حضرات مطمئن رہیں انشاء اللہ کل خطوط کی تعمیل جلد ہی کی جائیگی۔ اس تاخیر کو معاف کریں اور میری صحت کی دعا فرمائیں۔ خداوند عالم کل خدمات کا بوجھ اٹھانے کی قوۃ کاملہ عطا فرمائے کہ پھر سب آسان ہے۔

شکریہ

(۱) جناب حکیم سید نذیر احمد صاحب ججے پوری دام مجدہٗ نے اکولا (برار) سے رسالہ اصلاح کی اعانت میں ۴؍ عنایت فرمایا (۲) جناب منشی غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر بستی مائی روشن (پنجاب) نے تاریخ ائمہ کی اعانت میں ۱عہ عنایت فرمایا (۳) جناب سید علی جعفر صاحب کجھوا نے اپنے پوتوں کے ختنہ وعقیقہ کے موقع پر للعہ رسالہ اصلاح کی اعانت میں عنایت فرمایا خداوند عالم کل حضرات کو جزائے خیر عطا کرے اور دوسرے مومنین کو بھی آمادہ کرے کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا سامان جلد کریں۔ بس اب ہر وقت اسی سوانح عمری دوم کی اشاعۃ کی فکر رہتی ہے

دو امام باڑوں کی حالت

فرخ آباد کا ایک امام باڑہ سال گزشتہ کی بارش میں بالکل گر گیا جس کے لئے عام مومنین سے اعانت کی درخواست کی گئی مگر میرے خیال میں صرف مومنین شمس آباد کو چاہیئے کہ جلد اس کو بنوا کر اجر بے حساب حاصل کریں۔ کیونکہ مومنین فرخ آباد کی مالی حالت بہت کمزور ہے۔ شہر آرہ (صوبہ بہار) کے امام باڑے کی چھت بھی گر گئی۔ وہاں کے حضرات کل مومنین سے اعانت کے خواستگار ہیں مگر میری رائے ہے کہ جناب سید احمد حسن صاحب پیشکار خود پٹنہ جاکر رؤسائے گزری وگلزار باغ ودبانکی پور ورؤسائے حسین آباد کو پکڑیں۔ انشاء اللہ صرف پٹنہ ہی سے اس کی مرمت کا سامان ہو جائیگا۔

کونسلوں میں شیعوں کی نیابت

ہم نے اصلاح نمبر ۱ میں تحریک کی تھی کہ مومنین تین تین چار چار نکاح اور متعہ کرکے اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں اسکے ساتھ ہر مقام کے مومنین کو غور وفکر کرنی چاہیئے کہ کس طرح ہر صوبہ کی اسمبلی میں شیعہ ممبر شیعوں کے نمایندہ ہوکر پہونچیں اور شیعوں کے حقوق کی حمایت کریں۔ پارسی۔ عیسائی اور سکھ ایسی قلیل التعداد قوم تک کو جب یہ حق مل گیا تو ہم لوگ اس سے کیوں محروم رکھے جائیں کہ بغیر اس کے اس ملک میں رہنا بہت دشوار ہے۔ موقع تاخیر کا نہیں ہے جو کرنا ہو جلد کیجیے۔

آغا جعفر

اور اس کا بیٹا زید ابن عمر ایک ہی وقت میں فوت ہو گئے" (المحدیث ۱۷ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ)
اگر آپ انصاف سے دیکھیں تو یہی عبارت اس کی قطعی دلیل ہے کہ وہ ام کلثوم دختر جناب امیر نہیں تھیں اس لئے کہ وہ اپنے فرزند زید کے ساتھ ایک ہی دن مر گئیں۔ اور کل مورخین کہتے ہیں کہ یہ دونوں عہد معویہ میں مر گئے اور حضرت امام حسنؑ نے دونوں کے جنازے کی نماز پڑھی پس جب ام کلثوم وہ تھیں جو حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں مر گئیں تو واضح ہے کہ یہ وہ نہیں ہو سکتیں جو واقعہ کربلا میں موجود تھیں۔ اور کل مورخین اس کی بھی تصریح کر رہے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کی حقیقی بہن جناب ام کلثوم واقعہ کربلا میں جو شہادت حضرت امام حسنؑ کے گیارہ سال کے بعد ہوا موجود تھیں۔ اور اس کی بھی تصریح ہے کہ جناب سیدہ کی بیٹی دو ام کلثوم نہیں بلکہ ایک ہی تھیں۔ پس اگر وہ حضرت امام حسنؑ کے سامنے مر گئی تھیں تو واقعہ کربلا میں کیسے موجود رہیں؟ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ کلثوم جو حضرت عمر سے بیاہی گئیں وہی تھیں جو حضرت ابو بکر کی صاحبزادی تھیں اور چونکہ حضرت ابو بکر کی بیوہ سے جناب امیرؑ نے عقد کر لیا تھا اور وہ ام کلثوم ان کے ساتھ جناب امیرؑ کے گھر آ گئی تھیں اس سبب سے ان کو لوگ بنت علی کہنے لگے اور یہ مجاز عرب میں شائع و ذائع تھا۔ جب زید باوجود غلام ہونے کے حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آنحضرتؐ کے فرزند کہے جاتے تھے تو ام کلثوم اپنی ماں کے ساتھ جناب امیرؑ کے گھر رہنے کی وجہ سے آپ کی بیٹی کیوں نہ کہی جائیں؟ پس اگر ان ام کلثوم کو آپ اس وجہ سے حقیقی دختر جناب امیر کہتے ہیں تو جناب زید کو بھی حقیقی فرزند جناب رسولخدا کہئے۔ یہ بھی آپ لوگوں کے دعوے باطلہ کا زبردست جواب ہے کہ جناب ام کلثوم دختر جناب سیدہ اوس وقت تک زندہ رہیں کہ واقعہ کربلا میں شریک ہو گئیں اور وہ ام کلثوم جو حضرت عمر کی بیوی بتائی جاتی ہیں گیارہ بارہ برس پہلے مر چکی تھیں پس یا یہ کہئے کہ جناب ام کلثوم کربلا میں نہیں تھیں۔ یا یہ کہئے کہ وہ عہد معویہ میں نہیں مریں۔ یا یہ کہئے کہ حقیقت میں دو ام کلثوم تھیں ایک زوجہ حضرت عمر جو جناب سیدہ کی بیٹی نہیں بلکہ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی تھیں جو معویہ کے زمانہ میں اپنے فرزند زید کے ساتھ مریں۔ دوسری وہ جو حضرت عمر کی زوجہ نہیں تھیں بلکہ جناب سیدہ کی صاحبزادی تھیں اور واقعہ کربلا میں موجود رہیں۔ خدا کرے آپ ٹھنڈے دل سے اس مضمون کو پڑھیں اور آریوں کی تقلید چھوڑ سکیں۔ تا کہ راہ حق نظر آ سکے۔ فقط ظہیر حیدر مولوی عالم

جواب خطوط کی معذرت

ہمدردان اصلاح کے بکثرت خطوط اس طرف دفتر میں آئے ہوئے پڑے ہیں جن کی تعمیل اب تک نہ ہو سکی۔ اس طرف ہم کو ضعف قلب کی شکایت زیادہ رہی۔ دفتر کا کام بہت کم ہو سکا کسی کام میں دل نہیں لگتا تھا جو کچھ موقع ملا رسالہ کے مضامین کی ترتیب اور تاریخ ائمہ کی تصنیف و تالیف میں صرف ہوا۔ وہ حضرات مطمئن رہیں انشاء اللہ کل خطوط کی تعمیل جلد ہی کی جائیگی۔ اس تاخیر کو معاف کریں اور میری صحۃ کی دعا فرمائیں۔ خداوند عالم کل خدمات کا بوجھ اٹھانے کی قوۃ کاملہ عطا فرمائے کہ پھر سب آسان ہے۔

شکریہ

(۱) جناب حکیم سید نذیر احمد صاحب جے پوری دام مجدہٗ نے اکولا (برار) سے رسالہ اصلاح کی اعانت میں ۶؍ عنایت فرمایا (۲) جناب منشی غلام یسین صاحب ہیڈ ماسٹر بستی مائی روشن (پنجاب) نے تاریخ ائمہ کی اعانت میں ۱۰؍ عنایت فرمایا (۳) جناب سید علی جعفر صاحب نے بجھوانے اپنے پوتوں کے ختنہ و عقیقہ کے موقع پر للعہ رسالہ اصلاح کی اعانت میں عنایت فرمایا خداوند عالم کل حضرات کو جزا ء خیر عطا کرے اور دوسرے مومنین کو بھی آمادہ کرے کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا سامان جلد کریں۔ بس اب ہر وقت اسی سوانح عمری دوم کی اشاعۃ کی فکر رہتی ہے

دو امام باڑوں کی حالت

فرخ آباد کا ایک امام باڑہ سال گزشتہ کی بارش میں بالکل گر گیا جس کے لئے عام مومنین سے اعانت کی درخواست کی گئی مگر میرے خیال میں صرف مومنین شمس آباد کو چاہیئے کہ جلد اس کو بنوا کر اجر بے حساب حاصل کریں۔ کیونکہ مومنین فرخ آباد کی مالی حالت بہت کمزور ہے۔ شہر آرہ (صوبہ بہار) کے امام باڑے کی چھت بھی گر گئی۔ وہاں کے حضرات کل مومنین سے اعانت کے خواستگار ہیں مگر میری رائے ہے کہ جناب سید احمد حسن صاحب پیشکار خود پٹنہ جا کر رؤسا گزری و گلزار باغ و بانکی پور و رؤساء حسین آباد کو پکڑیں۔ انشاء اللہ صرف پٹنہ ہی سے اس کی مرمت کا سامان ہو جائیگا۔

کونسلوں میں شیعوں کی نیابت

ہم نے اصلاح نمبر ۱ میں تحریک کی تھی کہ مومنین تین تین چار چار نکاح اور متعہ کر کے اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش کریں اسکے ساتھ ہر مقام کے مومنین کو غور و فکر کرنی چاہیئے کہ کس طرح ہر صوبہ کی اسمبلی میں شیعہ ممبر شیعوں کے نمایندہ ہو کر پہونچیں اور شیعوں کے حقوق کی حمایت کریں۔ پارسی۔ عیسائی اور سکھ ایسی قلیل التعداد قوم تک کو جب یہ حق مل گیا تو ہم لوگ اس سے کیوں محروم رکھے جائیں کہ بغیر اس کے اس ملک میں رہنا بہت دشوار ہے۔ موقع تاخیر کا نہیں ہے جو کرنا ہو جلد کیجیے۔

آغا جعفر

اخبار غم

افسوس (۱) میرے محترم دوست جناب حاجی محمد تقی صاحب ہیڈ ماسٹر گمٹ کالج؟ نینیطی کی اہلیہ محترمہ نے ۲۵ صفر کو انتقال کر کے ممدوح کو اپنے سخت غم میں مبتلا کیا۔ مرحومہ بڑی عابدہ۔ خلیق اور مذہبی امور کی ہمدرد تھیں۔ ایک سات سالہ دوسری ڈیڑھ سالہ بچی چھوڑی (۲) میرے صدیق مکرم جناب مولوی سید محمد رضی صاحب پروفیسر مدرسہ جوادیہ بنارس کے ایک بچے نے بھی ۴ر صفر کو نمونیہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا (۳) مکرمی ومحترمی جناب مولوی سید امیر حسن صاحب وظیفہ یاب تعلقہ دار حیدر آباد دکن کے فرزند صالح سید بدر الحسن صاحب مرحوم نے انتقال کر کے بوڑھے باپ کو جس مصیبت میں مبتلا کیا اوس کا بیان دشوار ہے (۴) حبیب محترم جناب مولوی سید محمد سبطین صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لدھیانہ کے جوان فرزند سید محمد حسنین صاحب ایم اے نے بھی جوانی میں انتقال کر کے ممدوح کی نظروں میں دنیا کو اندھیری کر دیا۔ مگر قوی امید ہے کہ کل حضرات مصائب کربلا کو یاد کر کے اپنا اپنا صدمہ بھول جائیں گے۔ کیونکہ خوب فرمایا ہے لا یوم کیومک یا ابا عبد اللہ۔ خدا کل مرحومین کے درجات عالی کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔ مومنین سورہ فاتحہ و توحید کا ثواب سب کی روحوں کو ایصال کریں۔ ایک کی مصیبت سے دوسرے کو تسکین ہوتی ہے۔

اخبار جدیدہ

لکھنؤ میں ۹ و ۱۰ ربیع الاول کو لکھنؤ میں سنی شیعہ کے درمیان سخت فساد ہوا دس یا اس سے کچھ زیادہ آدمی ہلاک اور تقریباً دو سو زخمی ہوئے۔ کثرت سے لوگ گرفتار کیے گئے ہیں۔ مگر اب شہر میں امن ہے۔ خدا مظلوموں پر رحم فرمائے — گزشتہ تین سال میں ایران نے دنیوی اعتبار سے بڑی ترقی کی ہے۔ طہران میں ایک یونیورسٹی بھی قائم ہو گئی ہے —
ایڈورڈ ہشتم سابق بادشاہ انگلستان کی شادی ۳ر جون ۱۹۳۷ء کو مسز سمپسن سے ہو گئی۔
بمبئی میں پھر ہند و مسلمان کے درمیان فساد ہو گیا — اسپین کی جنگ اب تک جاری ہے
۲۷ر مئی کو مصر مجلس اقوام کا ممبر تسلیم کر لیا گیا۔ اس طرح مصر کی سیاسی آزادی مسلم ہو گئی —
۲۵ر مئی کو شملہ میں ایک مویشی کانفرنس بھی ہوئی — سرحد پر فقیر ایپی نے بغاوت بپا کر رکھی ہے جس کی وجہ سے اس کے ساتھیوں اور حکومت ہند میں سخت جنگ جاری ہے —
دور بینوں کا خیال ہے کہ ایپی کے فقیر کی پشت پر کسی یورپین سلطنت کا ہاتھ ہے۔ اس سال افغانستان کی آزادی کی اٹھارہویں سال گرہ منائی گئی۔ اٹلی سے جنگ کا خطرہ بڑھتا جاتا ہے

کے ساتھ تیر چھوڑتے اور ادہر سے اُدہر۔ اُدہر سے اِدہر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعتہً ایک بچے کا تیر نشانہ پر جا لگا اور بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا انا ابن سید البطحاء (میں مکہ معظمہ کے سردار کا فرزند ہوں) جوں ہی یہ جملہ بچے کے مونہہ سے نکلا۔ گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ نہایت تیزی کے ساتھ اس بچے کی طرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاحب زادے تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں۔ کہا اور تمہارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سنکر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکہ میں آکر ہاشم کے حقیقی بھائی مطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا معلوم ہوا کہ مطلب حطیم کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اُس کے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا زبان سے ادا کیا۔ مطلب فوراً مکہ سے نکل مدینہ پہونچے اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پاکر پہچان لیا۔ بے ساختہ اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے مگر اوس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا پیارے شیبۃ الحمد میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں۔ شیبۃ الحمد یہ سنکر خاموش ہوگئے۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو یہ جادہ جا۔ شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اُس کی نظروں میں ساری دنیا اندھیر ہوگئی مگر غریب کر ہی کیا سکتی تھی۔ صبر کرکے اور کلیجہ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبۃ الحمد کو اونٹنی پر سوار کئے ہوئے مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے دیکھ کر بآواز بلند کہا هٰذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبْ یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا نہیں۔ میرا غلام نہیں۔ میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا بھتیجا ہے۔ پس اوس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔

الغرض عبد المطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پُوت کے پانوں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں۔ عبد المطلب ابتدا ہی سے نیک سیرۃ نیک خصلت نظر آتے تھے۔ یہاں تک کہ جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفات حمیدہ اور خصائل بزرگانہ ان میں جمع ہوگئے تھے۔ مطلب کے مرے پیچھے اُن کے تمام مناصب ان کی طرف عود کر آئے اور مکہ کی ریاست کی باگ ان کے ہاتھ میں آگئی۔ حلبی اپنی سیرۃ میں عبد المطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبد المطلب آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کرکے خدا کی وحدانیت کے قائل ہوگئے

تھے ۱؎ اور مکہ کی چار دیواری کے اندر بہت سے اُن طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعہ سے اول عرب میں پھر تمام روئے زمین میں دی گئی مثلاً وفائے نذر۔ محارم سے نکاح کی ممانعت۔ قطع ید سارق۔ دختر کشی کی مناہی۔ تحریم خمر و زنا۔ اور یہ کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔ عبدالمطلب کے واقعات زندگی میں ایک بڑا واقعہ چاہ زمزم کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے خدا کے اُس مقدس معبد کا نام جو سرزمین مکہ میں واقع ہے کعبہ رکھا گیا۔ ساتھ ہی اس چشمہ کا نام زمزم رکھا گیا۔ بلکہ بناء کعبہ کی تاریخ سے اس چشمہ کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے گویا یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور بناء کعبہ کا سبب واقع ہوا۔ اس چشمہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں۔ ہاجرہ اور سارا اور دونوں سوکنوں میں سازگاری نہ تھی۔ اس لئے حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ کو اون کے بیٹے اسمٰعیل سمیت اس جگہ لے آئے جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹوں کو اس غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر ملک شام واپس چلے گئے۔ یہاں ہاجرہ اور اون کے معصوم بچے کو پیاس لگی کیونکہ جو پانی وہ اپنے ساتھ لائی تھیں ہو چکا۔ پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے اُن مایوسی طاری ہوئی تو بے قراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ اتفاق سے کنکروں پتھروں اور کوڑے کرکٹ کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ کنکروں پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر خدا بجا لائیں۔ خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمہ کو محفوظ رکھنے کے لئے اُس کے گرداگرد منڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اسکی وجہ سے اردگرد کے بہت سے قبائل یہاں آبسے۔ ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمۂ زمزم کے قریب آباد ہوئے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کئے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو ان کا سردار تھا بایں خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر اُن کے کردار ناشایستہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں۔ چنانچہ اس نے اپنی ساری قوم کو جمع کرکے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ قوم کے سر برآوردہ لوگوں نے اسکی اس رائے سے اتفاق اور سب نے سرزمین مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم

رستی ترک کرنے کا دعوےٰ تو اس وقت کیا جائے جب ابتداء عمر میں اس کا پتا
کرتے تھے لیکن کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا ۱۲

ظاہر کیا۔ عمرو نے قوم کے نفیس و قیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں اور حجرالرکن یا حجرالمقام جو کچھ بھی کعبہ کا چڑھاوا تھا اس چشمہ میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاصہ عمیق گڑھا ہوگیا تھا ڈال دیئے اور منڈیریں توڑ تاڑ کنکروں پتھروں سے پاٹ دیا۔ یہاں تک کہ اُس کا نام ونشان تک بھی باقی نہ رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے بھاگا۔ اُس زمانہ سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا اور سیکڑوں برس گزر گئے کسی کو اوسکی طرف خیال بھی نہ ہوا مگر عام الفیل کے سال عبدالمطلب کو اس کا خیال ہوا اور اونھوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔

عبدالمطلب کے اس مقام خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مورخوں نے بڑی بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ مگر ایک روایت جو عقل ونقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے مشہور مورخ ابن اسحاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے کہ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیم کعبہ میں سوتا تھا۔ خواب میں ایک شخص آکر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال۔ میں نے کہا طیبہ کہاں ہے؟ اس کا اوس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہوگیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود۔ میں نے زمزم کا پتا پوچھا تو کہا قریۃ النمل کے متصل۔ میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے اوس موقع پر پہنچا اور کھودنا شروع کیا۔ تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھوداکئے چوتھے روز ایک تختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔ عبدالمطلب زمزم کے کھودنے میں کامیاب ہوئے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرہ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ یہ بھی ھٰذا الطّیٌ اسمٰعیلؑ۔ یہ سن کر بہت سے لوگ زمزم پر آجمع ہوے اور عبدالمطلب کی مزاحمت کر کے فساد پر آمادہ ہوگئے اور لگے کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسمٰعیل کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں ہم اور تم دونوں شریک رہیں گے۔ اگر تم ہماری شرکت تسلیم کرو بہتر۔ ورنہ ہم تم کو اس پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے اپنا قبضہ اوٹھالو۔ یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہوجاؤ۔ ہم اس کنویں کو بدستور پاٹ دینگے اور پھر اپنے خرچ سے کھدوا کر تیار کرلیں گے۔ عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد بد کامیاب ہوگئے"۔

(امہات الامہ صفحہ ۱۴)

(مذکورہ بالا واقعات زیادہ تفصیل سے سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۹۵ و تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۵ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ و سیرۃ ابن ہشام و تاریخ خمیس وغیرہ میں موجود ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب نے آخر میں جو لکھا کہ "عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبادیا" اس میں حد درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کردیں اس لئے کہ اس سے جناب عبدالمطلب کا خدا کے ہاں خاص درجہ ثابت ہوتا ہے اور ہم اس واقعہ کو دعویٰ جناب عبدالمطلب کا معجزہ کہہ سکتے ہیں۔ اصلاح نمبر ۶ جلد ۳ میں اس کو مختصر طور پر لکھا گیا تھا۔ اسی کی نقل مناسب ہے۔ "جناب عبدالمطلب کو جس وقت یہ بشارت ملی اس وقت تک ان کے ایک ہی فرزند تھا جس کا نام حارث تھا۔ جس کے ساتھ وہ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوئے۔ جب کچھ کامیابی نظر آئی تو نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ قریش سمجھے کہ یہ کامیاب ہوئے۔ حصہ لینے کو آموجود ہوئے کہ یہ کنواں تو ہمارے جد اسمٰعیل کا ہے۔ ہم سب شریک ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا نے اس کو خاص ہمارے حصہ میں دیا ہے۔ مگر قریش اور تیز ہو کر کہنے لگے نہیں نہیں۔ تم تنہا اس پر متصرف نہیں ہو سکتے۔ ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اس میں سب کا حصہ مساوی ہے۔ اب ایک طرف جناب عبدالمطلب تنہا ہیں۔ دوسری طرف کل قریش کا مجمع ہے۔ طرفین میں رد و بدل ہوتی رہی۔ آپ فرماتے کہ یہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے اور وہ لوگ اس کو جمہوری جائداد بنانا چاہتے تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ بنی سعد کی کاہنہ پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے۔ وہ جو کچھ فیصلہ کردے اسی پر سب راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب ہوا جو اس خاندان کا بزرگ تھا اور سب کے سب مع حشم و خدم شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب عبدالمطلب بھی اپنے دو چار ساتھیوں کے ہمراہ چلے۔ یہ سفر بہت طولانی تھا کہ اونٹ کی سواری پر ملک شام جانا تھا۔ اس سبب سے خاص کر پانی کا زیادہ مقدار میں ساتھ رکھنا ضروری ہوا۔

مگر ابھی اس سفر کی چند ہی منزلیں طے ہونے پائی تھیں کہ اثنائے راہ میں جناب عبدالمطلب کے پاس کا کل پانی ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سب پیاسے ہوئے لیکن نہ کہیں کنواں نظر آیا۔ نہ دریا۔ نہ چشمہ۔ اس کے ساتھ سفر کا تعب جس سے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ جناب عبدالمطلب اور ان کے ساتھی قریب بہ ہلاکت پہونچ گئے۔ اب زندگی اور موت کا فیصلہ تھا مجبوراً ان بیچاروں نے سرداران قریش سے جو اس نزاع میں فریق مخالف تھے پانی مانگا کہ ہم لوگ پیاسے مرا چاہتے ہیں تھوڑا پانی پلادو۔ مگر ان سب نے قطعی انکار کر دیا۔ اور ایک شخص کو بھی رحم نہ آیا۔

جب جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ یہ لوگ جو ہمارے ہم وطن ہم قبیلہ سب ہی ہیں کسی طرح پانی

نہیں دیتے اور ہماری سخت پیاس پر کسی کو رحم نہیں آتا اور اب پیاس سے مرجانا یقینی ہے تو بخیال اس رسوائی کے کہ سب بُرے حال سے مرے پڑے رہیں گے اور کسی کو کفن و دفن یسنر نہیں ہوگا یہ رائے کی کہ ہم سب اپنے اپنے لئے ایک ایک گڑھا (بطور قبر) مہیا کریں تاکہ جو شخص مرتا جائے اس کو دفن کرتے جائیں۔ آخر میں ایک ہی شخص ایسا رہے گا جو بے دفن پڑا رہے اور ایک شخص کا اس طرح پڑا رہنا بہتر ہے اس سے کہ سب کے سب بے دفن رہیں۔ ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً اس کی تعمیل شروع کردی۔ گڑھے کھُدنے لگے اور قریش جو آپ کے مخالف جا رہے تھے کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ دوسرے روز جناب عبدالمطلب نے سوچا کہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا اور اپنے کو موت کے حوالہ کردینا نامردی ہے۔ کچھ کوشش کرنی اور اِدھر اُدھر پانی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ تاکہ اس طرح ہم لوگوں کے نام میں عاجزی کا دھبہ نہ لگے اور بے بسی کی موت نہ ہو۔ یہ طے کرکے آپ اونٹ پر سوار ہوئے۔ فلما انبعثت به راحلته انفجرت من تحت خفها عين عذب من ماء فكبر وكبر اصحابه وشربوا وملؤا اسقيتهم ۔ ثم دعا القبائل من قريش فقال هلموا الى الماء فقد سقانا الله فقال اصحابه لا نسقيهم لانهم لم يسقونا ۔ فلم يسمع منهم وقال فنحن اذا مثلهم ۔ فجاء اولئك القرشيون فشربوا وملؤا اسقيتهم وقالوا قد والله قضى الله لك علينا يا عبد المطلب ۔ والله لا نخاصمك فى زمزم ابدا ان الذى سقاك هذا الماء بهذه الفلاة لهو الذى سقاك زمزم فارجع الى سقايتك راشدا فرجعوا اليه ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبينها ۔ جیسے ہی جناب عبدالمطلب کی اونٹنی آپ کو اُٹھا کر چلی فوراً اس کے پاؤں کے نیچے کی ریت ہٹی اور دفعتہً آپ سرد و خوش گوار کا چشمہ نمایاں ہوا۔ جس پر جناب عبدالمطلب نے تکبیر کہی۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر جو خوشی ہوئی کیوں کر بیان کی جائے سب اس چشمہ سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھی اسی سے بھرلیں۔ اس کے بعد عبدالمطلب نے قریش کے ان قبیلوں کو بھی جن سے نزاع تھی آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی لو کہ خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کردیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب کے ساتھیوں نے کہا ہم تو ان کو اس پانی سے نہیں پینے دینگے کیونکہ جب ہم پیاسے تھے تو انکو کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک قطرہ بھی کسی نے ہمیں نہیں دیا۔ مگر جناب عبدالمطلب نے انکی بات

نہیں مانی اور فرمایا اگر ہم بھی ان کے ہی ایسا کریں تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہا!!!
غرض وہ قریش بھی مجتمع ہو گئے اور سب نے اس پانی سے پیا اور اپنی مشکیں بھر لیں۔ جس کے بعد ان لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اے عبد المطلب خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دے دی۔ خدا کی قسم اب زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کرینگے کیونکہ جس خدائے برحق نے اس بے آب وگیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کر کے تم کو سیراب کیا اوسی نے زمزم سے بھی تم کو سیراب کیا ہے۔ اب چلو تم اپنے اس کنوئیں پر اطمینان سے اور بے کھٹکے قبضہ کر لو۔ ہم لوگ کچھ نہیں بولیں گے۔ اس طرح وہ لوگ کاہنہ کے پاس پہونچنے بھی نہ پائے اور وہیں سے پلٹ آئے اور وہ کنواں جناب عبد المطلب کو چھوڑ دیا۔ جناب عبد المطلب مکہ میں واپس آکر پھر چاہِ زمزم کھودنے لگے یہاں تک کہ سونے کی ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہوئیں۔ اوس وقت قریش نے پھر ہجوم کیا اور کہا اس میں ہمارا بھی حصہ ہے۔ جناب عبد المطلب نے کہا نہیں بلکہ یہ بھی ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے۔ مگر وہ لوگ نہ مانے تو آپ نے فرمایا اچھا آؤ قداح (قرعہ یا فال) سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے۔ ان سب نے پوچھا وہ کس طرح؟ فرمایا دونوں ہرنیاں ایک جگہ۔ تلواریں ان سے الگ اور زرہیں علحدہ رکھی جائیں اور دو تیر خانہ کعبہ کے دو تمہارے اور دو ہمارے ان پر ڈالے جائیں۔ جس کا تیر جس پر پڑ جائے وہ چیز اوسی کی ہو جائے اور جس کے حصہ میں کوئی چیز نہ پڑے وہ کچھ نہ لے۔ سب راضی ہو گئے اور جناب عبد المطلب کے اس انصاف کی داد دی۔ پھر تیر ڈالے گئے تو خانہ کعبہ کے دونوں تیر دونوں ہرنیوں پر اور جناب عبد المطلب کے دونوں تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے مگر قریش کے تیر کسی چیز پر نہیں پڑے۔ اس طرح بھی فیصلہ جناب عبد المطلب ہی کے موافق ہوا۔ اب آپ نے دونوں تلواریں خانہ کعبہ کے دروازے میں لٹکا دیں اور دونوں ہرنیوں کو توڑ کر ان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے۔ اس طرح ہی وہ پہلا سونا تھا جس سے خانہ کعبہ کی زینت کی گئی اور ایک روایت ہے کہ وہ دونوں ہرنیاں اسی طرح خانہ کعبہ میں رکھ دی گئیں اور بعد میں کسی نے چرالیں (تاریخ کامل جلد ۲ صلا) نہایت حیرت خیز امر یہ ہے کہ فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولخدا صلعم کی مفصل سوانح عمری کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ان کو چاہیئے تھا کہ حضرت کے جد معظم جناب عبد المطلب کے اس عظیم الشان اور قابل فخر واقعہ کو نہایت اہمیت

سے جلی حروف میں لکھتے اور دوسری قوموں کو دکھاتے کہ خدا نے آنحضرتؐ کے اجداد تک کو کیسے فضائل و کرامات مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن افسوس اونھوں نے اس واقعہ کو صرف ڈیڑھ سطر میں اس طرح ختم کر دیا "عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اَٹ کر گم ہو گیا تھا اونھوں نے اس کا پتہ لگایا اور کھُدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صـ۱۲۱)۔ حضرت عبد المطلب صرف جناب امیر علیہ السّلام ہی کے دادا نہیں تھے اور نہ اس سے حضرتؐ کی کوئی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ اس موقع پر بھی اختصار ہی کی ضرورت تھی۔ الغرض اس کے بعد سب لوگ اور خاص کر حاجی حضرات نے دوسرے کنووں کو چھوڑ دیا اور چاہِ زمزم ہی سے پانی لیتے اسی کو وہ پسند کرتے اور اسی میں برکت سمجھتے۔ گزشتہ واقعات سے جب جناب عبد المطلب نے دیکھا کہ بار بار قریش آپ کی مخالفت کرتے اور آپ سے نزاع کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو اپنی تنہائی سے متردد ہوئے اور خدا سے نذر کی کہ اگر آپ کو دس لڑکے مرحمت ہوں جو بالغ ہو کر لوگوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد اور حمایت کریں تو آپ خدا کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لئے ایک لڑکے کو بطور قربانی ذبح کریں گے۔ خدا کے ہاں آپ کا درجہ اس درجہ بلند تھا کہ فوراً آپ کی دعا مقبول ہوئی اور خدا نے دس لڑکے آپ کو عنایت فرما دیئے۔ مولوی شبلی صاحب اس کو اس طرح لکھتے ہیں " اونھوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دینگے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے۔ عبد اللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے اور انکو چھوڑ دیجئے۔ عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہونچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبد اللہ بچ گئے" (سیرۃ النبی جلد ا صـ۱۲۲)

شمس العلماء معاصر دہلوی لکھتے ہیں "جس سال عبد اللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے لشکرِ مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے۔ اگرچہ

سارا سال واقعات ہائلہ سے پُر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا۔ لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہل چل ڈال دی یعنی یمن کے حاکم کا خانۂ خدا پر خوں خوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے۔

یمن کا حاکم اُبرہتہ الاشرم ایک نہایت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانۂ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسم حج میں نہایت ذوق شوق سے دور دراز کا سفر طے کر کے جوق جوق خانہ کعبہ میں آتے اور طواف و زیارۃ سے آتش شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اوٹھی اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور انتہاء سے زیادہ جاہ و جلال دیکھکر آتش حسد پر لوٹنے لگا۔ شہر صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنایا اور زوار کعبہ کو اس کی زیارت کی تکلیف دی۔ لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارت کو نہ آئے تو اُبرہہ غصے میں جھلا اٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہوکر مکہ کی طرف بڑھا۔ مکہ کے لگ بھگ پہونچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوئے لیکن جب اونھوں نے اُبرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں دیکھی تو اپنے اہل و عیال کو لے مکہ کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔ عرب بے شک بہادر تھے۔ جاں باز تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں بے خوف کود پڑتے تھے اور جان دے دینا اُن کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن تو بھی اونھوں نے گوارا نہیں کیا کہ ایسے زبردست اور ڈراونی شکل کے جانوروں کے مقابلہ میں سینہ بہ سینہ اور کلہ بہ کلہ ہو کر لڑیں۔

اُبرہہ نے رستہ میں سے عمیر کو بطور سفارۃ سرداران قریش کی طرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادے سے نہیں بلکہ صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم لوگ میری مزاحمت کروگے اور جنگ کی طرف مائل ہوگے تو میرے پاس بہت سا سامانِ حرب موجود ہے۔ اس گفت و شنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائل قریش میں سے کسی کو اُبرہہ سے مقابلہ کرنے کی جرءت نہیں ہوئی۔ اُبرہہ نے رستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آ دھمکا۔ قبائل قریش پہلے ہی سے مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ تاہم کعبۂ مقدس کی عمارت میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکر یمن کعبہ پر حملہ آور ہوگا تو ہم ایک خوں ریز جنگ کر کے اپنی جانیں کعبہ پر قربان کردینگے۔ اُبرہہ کو معلوم ہوا تو اوس نے اِس روز کعبہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور

آج کے حملہ کو کل کے لئے اٹھا رکھا۔ دوسرے دن کی صبح کو اپنی خونخوار فوج ساتھ لے کے آگے بڑھا لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اُسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبہ میں موجود ہیں اونھیں پیام تو پہونچا دیا جائے تا کہ غفلت میں مر کر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اوس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبہ کے مجاوروں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبد المطلب۔ اُبرہہ نے عبد المطلب کو بلایا اور تخلیہ میں گفتگو کی۔ عبد المطلب یہ کہتے ہوئے اُبرہہ کی مجلس سے باہر نکل آئے کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہی اس کا محافظ بھی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد سے بچالے گا۔

اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ الغرض اُبرہہ لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبہ کی دیواریں نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانۂ خدا کی جانب قدم اٹھائے مکہ کی غربی سمت سے لشکر الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لئے ہوئے فوج فوج آگئے اور لشکر یمن پر کنکریاں برسانے لگے جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی۔ تھوڑی دیر میں سارا لشکر خدا کے غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہو گیا ظالم اور گستاخ اُبرہہ اگرچہ زخموں سے چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن اس کا مرغ روح عقاب موت سے نہ بچ نہیں سکا اور رستے ہی میں مر کر رہ گیا" (امہات الامہ صفحہ ۴۲)

مسٹر امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ چونکہ اُبرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا (جس کا نام محمود تھا) اور یہ جانور عرب نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس سبب سے اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا وہ لکھتے ہیں کہ یہ حملہ آور فوج کچھ تو وبا کے نمودار ہو جانے سے اور کچھ مینہ اور اولوں کے خوفناک طوفان سے تباہ و برباد ہو گئی۔ جس جگہ اُن کے خیمے ڈیرے لگے تھے وہاں بانی نے اپنا قیام کر کے ان کے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ء کا ہے اور اسی واقعہ کی یادگار میں یہ سال عام الفیل کہلاتا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسولِ خدا صلعم کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو خوب جلی حرفوں سے لکھکر اسکی اہمیت اور عظمت کو اچھی طرح دکھایا ہوگا۔ مگر کس قدر تعجب ہے کہ جناب عبد المطلب کے حالات تو آپ نے لکھے لیکن اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا۔ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ۔ البتہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن انکی عبارت میں بھی بعض اہم چیزیں مجمل رہ گئیں اس وجہ سے انکی تفصیل کی ضرورت ہے۔ مورخ مشہور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے

"اَبرہہ نے ایک دستہ سواروں کا بسر کردگی اسود بن مقصود حبشی مکہ کی طرف روانہ کیا اس غرض سے کہ اونٹ وغیرہ بار برداری کے لئے اور کچھ آدمی اسباب وغیرہ کے اٹھانے اور لادنے کی غرض سے گرفتار کرلادیں۔ چنانچہ اسود ابن مقصود اطراف مکہ میں گیا اور اہل مکہ کی کچھ مولشیاں اور دو اونٹ جس میں دو سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے پکڑلایا۔ عبدالمطلب اُن دنوں قریش کے سردار اور مکہ کے سربرآوردہ آدمیوں میں تھے۔ پہلے ان کا قصد لڑائی کا ہوا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے تقابل کی طاقت نہیں ہے تو خاموش ہو رہے۔ اُبرہہ نے دوسرے دن حناط حمیری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ اہل مکہ کو اس کے ارادہ سے آگاہ کرے اور اگر اہل مکہ انہدام کعبہ سے کچھ چون وچرا کریں تو لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ عبدالمطلب نے یہ پیام سنکر جواب دیا واللہ ما نرید حربہ وھذا بیت اللہ فان یمنعہ فھو بیتہ وان یخلی عنہ فمالنامن دافع (خدا کی قسم ہم اوس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے پس اگر وہ (خدا) اوس کو روکے تو یہ اوس کا گھر ہے۔ اور اگر وہ اس سے کچھ تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کرسکتے)۔ اور چند رؤسا قریش کو ہمراہ لے کر اُبرہہ کے پاس گئے۔ پہلے ذونفر حمیری سے ملاقات کی جس کو اُبرہہ نے قید کر رکھا تھا۔ ذونفر نے فیل بان کے ذریعہ سے اُبرہہ کو عبدالمطلب کے آنے کی اطلاع کرادی۔ اُبرہہ نے ان کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ تخت سے اُتر کر فرش پر ان کے ساتھ بیٹھا۔ اثناء کلام میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کی سفارش کی۔ اُبرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے کچھ التجا نہ کی۔ یہ تو تمہارا اور تمہارے آباء واجداد کا مذہبی مکان ہے اور اونٹوں کا سوال کیا!!! عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل وللبیت رب سیمنعہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اونٹوں کو مانگتا ہوں۔ اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ غالباً اس کو روکے گا۔ اُبرہہ نے سنکر تھوڑی دیر تک سکوت اختیار کیا۔ بعد اس کے بے تامل عبدالمطلب کو اُن کے اونٹ واپس کردیئے۔

علامہ طبری تحریر کرتا ہے کہ اکثر مورخین کا یہ خیال ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ عمرو بن لعابہ وغیرہ گئے تھے اور اُبرہہ سے یہ درخواست کی تھی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں دی جائیگی بشرطیکہ کعبہ منہدم نہ کیا جائے۔ لیکن جب اُبرہہ نے اس سے انکار کیا تو عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے واپس آئے اور قریش اور کل اہل مکہ کو ہدایت کی کہ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں اور خود وقت روانگی

خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ان کے پاس قریش کے چند منتخب آدمی موجود تھے اور سب گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے اور عبدالمطلب یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

لاھمّ ان العبد یمنع حلہ۔ فامنع حلالک۔ لا یغلبن صلیبھم۔ ومحالھم ابداً محالک
وانصر علٰی آل الصلیب۔ وعابدیہ الیوم آلک

اے خدا بے شک بندہ روکتا ہے جو اس کے محل میں آتا ہے پس تو بھی منع کر اس کو جو تیرے مکان پر آئے ہرگز ان کی صلیب اور ان کا غصہ کبھی تیرے غصہ پر غالب آئے گا اور مدد کر اہل صلیب اور اس کی پرستش کرنے والوں پر آج اپنے اہل کو۔

بعد اس کے عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور اُبرہہ کعبہ کے گرانے کی غرض سے مکہ کی طرف بڑھا۔ اللہ جل شانہ نے ان پر چڑیوں کا ایک جھنڈ دریا سے بھیجا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۴۸)۔ اور علامہ طبری نے لکھا ہے کہ فیل بان نے اُبرہہ سے کہا اے بادشاہ یہ سردار قریش آپ کے ہاں آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش کرتے ہیں۔ یطعم الناس بالسھل والوحش فی رؤس الجبال یہ زمین پر آدمیوں کو اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں (اور پرندوں) کو کھانا کھلایا کرتے ہیں۔ آپ اجازت دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں اُبرہہ نے اجازت دی وکان عبد المطلب رجلاً عظیماً وسیماً جسیماً جناب عبدالمطلب ایک عظیم الشان قد آور۔ وجیہ اور بارعب وجلال بزرگ تھے۔ جب اُبرہہ نے آپ کو دیکھا تو نہایت تعظیم وتکریم کی اور اپنے تخت سے اُتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور ان کو اپنی بغل میں بٹھالیا۔ پھر ترجمان سے کہا ان کے آنے کی غرض دریافت کرو۔ آپ نے فرمایا تمہارے لوگ میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں انھیں واپس کردو۔ یہ سنکر اُبرہہ نے ترجمان سے کہا ان سے کہو کہ جب تم میرے پاس آئے تھے تو تمہاری جلالت قدر اور عظمت وشان سے میری نظر میں تمہاری بڑی وقعت ہوگئی تھی مگر اب تم میری نظروں سے گر گئے۔ تم دو سو اونٹ کے لئے سوال کرتے ہو اور اس گھر (خانہ کعبہ) کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ جس کے گرانے کو میں آیا ہوں۔ حالانکہ وہی تمہارا دین بھی ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین بھی۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس سے انھیں مانگتا ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اسکی حفاظت کرلے گا۔ غرض جناب عبدالمطلب کے اونٹ واپس مل گئے۔ اور آپ نے اپنی جگہ آکر قریش کو پہاڑیوں پر روانہ کردیا

اور خود خانہ کعبہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر خدا سے دعا کرنے لگے فرماتے تھے ؎

یارب لا ارجو الھم سواکا — یارب فامنع منھم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا — امنعھم ان یخربوا فناکا

اے خدا میں ان لوگوں کے لئے سوائے تیرے کسی کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ اے خدا ان لوگوں سے تو اپنے گھر کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ ان لوگوں کو تو اس سے باز رکھ کہ تیری عبادت گاہ کو ویران و برباد کریں۔ اس کے بعد وہ اشعار کہے ہیں جو اوپر ترجمہ ابن خلدون سے نقل کئے گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)۔ اس واقعہ سے جناب عبدالمطلب کے ایمان و معرفت و عظمت و جلالت کی متعدد باتیں روشن ہوئیں (۱) جناب عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کی اتنی فکر تھی کہ پہلے خود ارادہ کیا کہ ابرہہ سے لڑیں مگر اسکی بے پناہ طاقت دیکھکر خیال فرمایا کہ اس میں اہل مکہ ختم ہو جائیں گے اور اتنے لوگوں کا خون ضائع جائیگا۔ اس وجہ سے آپ اس ارادہ سے باز رہے (۲) جب ابرہہ مکہ میں آیا تو اوس نے ایک قاصد بھیجا کہ جا کر مکہ والوں سے پوچھو ان کا سردار کون ہے۔ اس نے دریافت کیا تو سب نے باتفاق جناب عبدالمطلب کو بتایا اور اس بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا۔ جس سے آپ کا کمال اقتدار واضح ہے (۳) جناب عبدالمطلب کا خدا پر توکل اور یقین انتہا درجہ کا ثابت ہوتا ہے کہ بار بار کہتے رہے اس گھر کا مالک خدا ہے وہ اسکی ضرور حفاظت کرے گا (۴) ابرہہ باوجودیکہ آپکا مخالف تھا مگر آپ کے دبدبہ و شوکت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کی تعظیم میں تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر آپ کی بغل میں بیٹھا (۵) جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ کی حفاظت کا ایسا تردد تھا کہ سب کو پہاڑوں پر روانہ کردیا مگر اپنی پرواہ نہیں کی اور خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر اوس وقت خدا سے الحاح و زاری کرنے لگے (۶) پورے واقعہ میں کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ جناب عبدالمطلب نے اللہ کے سوا کسی معبود کا نام لیا ہو یا کسی بت کا ذکر کیا ہو۔ یا کسی سے دعا کی ہو۔ حالانکہ اوس زمانہ میں لوگ اپنے بڑے بتوں لات و عزیٰ و ہبل وغیرہ سے کیسی کیسی دعائیں کرتے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابتداء سے موحد اور صرف اللہ کے ماننے والے تھے اور کسی وقت بھی بت پرستی کا خیال تک آپ کو نہیں ہوا (۷) انسان کو مال و دولت بہت عزیز ہوتی ہے اور اس کے لئے وہ اپنی اولاد بلکہ اپنے مذہب تک کو چھوڑ دیتا ہے مگر جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ اور خانہ کعبہ اتنے عزیز تھے کہ آپ نے انکی حفاظت کے لئے مال تک قربان کردینے کا ارادہ کیا اور ابرہہ سے درخواست

کی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں لے لو مگر خانہ کعبہ کو منہدم نہ کرو۔
اسی طرح جناب عبدالمطلب کے دوسرے بڑے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ مہندی کا
خضاب بھی آپ ہی نے ایجاد کیا کہ آپ سے پہلے کسی کو اس کا خیال تک نہیں ہوا تھا۔
جناب عبدالمطلب کی زندگی کا یہ بھی ایک بڑا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم یہودی کی حمایۃ
نہایت شریفانہ عنوان سے کی اور اسکی وجہ سے اپنے دوست کی محبت کی ذرہ برابر پروا
نہیں کی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے:۔ حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی
رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس بہت
زیادہ دولت ہوگئی تھی۔ یہ بات حرب بن امیہ کو (جو معویہ کا دادا تھا) بہت زیادہ ناگوار ہوتی۔
وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے۔ یہ حرب حضرت عبدالمطلب کا
مصاحب بھی تھا۔ غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا
کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن
عبدمناف بن عبدالدار اور (۲) (حضرت ابوبکر کے دادا) صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر
اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبدالمطلب کو ہوئی تو آپ نے اسکی
تحقیق شروع کی مگر ان کو کسی طرح پتا نہیں چلا کہ اس یہودی کا قاتل کون ہے۔ پھر بھی وہ
اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اسکی فکر اور جستجو میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو
معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں شخصوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ دونوں اصل بانی فساد حرب بن
امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب حضرت عبدالمطلب اسی حرب کے پاس گئے اور اسکی ملامت کی کہ
تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے انھیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے
حوالہ کرنے سے کیا انکار اور دونوں کو پوشیدہ کر دیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب اور حرب کے
درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل
بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو منافرہ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جاکر
فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آؤ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اوس سے
فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا اور کون افضل ہے۔ یہ بات
طے ہو گئی اور دونوں نجاشی کے پاس پہونچے تو اوس نے ان کے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے

قطعی انکار کر دیا۔ تب ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و دناءت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ (اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیونکہ) تم غیظ و غضب سے دور، عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کے لئے مضبوط رسی ہو۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جس کے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو (اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا) یہ سن کر حرب ابن امیہ کو غیظ آگیا اور اس نے کہا یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنا دیا گیا۔

اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حرب بن امیہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبداللہ بن جدعان تیمی کو اسکی جگہ مصاحب بنا لیا۔ نیز آپ نے حرب ابن امیہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اور ان سب کو اس مقتول یہودی کے چچا زاد بھائی کے حوالہ کر دیا۔ اور اس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی واپس مل گیا سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہو سکیں تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کر دیا جس سے اس کی کل کمی پوری ہو گئی (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ٦)

جناب عبدالمطلب ہی وہ پہلے بزرگ بھی ہیں جو حرا پہاڑ پر عبادت کیا کرتے خصوصاً جب ماہ رمضان کا چاند دکھائی دیتا تو حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور مہینہ بھر مسکینوں کو کھانا تقسیم کرتے رہتے (تاریخ کامل جلد ۲ صہ ٦)۔ باوجودے کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس شرف کا مالک ہوتا تھا مگر جناب عبدالمطلب میں یہ صفت بھی تھی چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " مامون نے اپنے عظیم الشان کتب خانہ میں عرب جاہلیۃ کے زمانہ کا بھی بہت کچھ سرمایہ جمع کیا تھا۔ جاہلیوں کے قصائد اور اشعار کے علاوہ

اُس زمانہ کے خطوط۔ دستاویزات ۔معاہدے جہاں تک مل سکے نہایت کوشش سے فراہم کئے تھے ۔ اس کتب خانہ میں عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرضہ کا ایک رقعہ موجود تھا جو چمڑے پر لکھا ہوا تھا اور اوس کے یہ الفاظ تھے :۔ حق عبد المطلب بن ہاشم من اہل مکۃ علے فلان بن فلان الحمیری من اہل وزرل صنعا ۔علیہ الف درہم فضۃ کیلا بالحدید ومتی دعاہ بہا اجابہ۔ شہد اللہ والملکان (رسائل شبلی صہ ۲۶ یہ واقعہ کتاب الفہرست لابن الندیم صہ میں بھی موجود ہے ۔

جناب عبدالمطلب کے فضائل و مآثر اس درجہ مشہور تھے کہ ان کے بعد ان کے خاندانی مخالفین کے سامنے بھی لوگ بے دھڑک بیان کردیتے تھے ۔چنانچہ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے بھی اس کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں :۔ وذکران دغفلا النسابہ دخل علے معویۃ ۔ فقال لہ من رأیت من علیۃ قریش ۔ فقال رأیت عبد المطلب بن ہاشم وامیۃ بن عبد شمس۔ فقال صفہمالی ۔فقال کان عبد المطلب ابیض مدید القامۃ حسن الوجہ ۔ فی جبینہ نور النبوۃ وعز الملک ۔یطیف بہ عشرۃ من بنیہ کانہم اسد غاب ۔قال فصف لی امیۃ۔ قال رأیتہ شیخا قصیرا نحیف الجسم ۔ضریر الیقودہ عبدہ ذکوان ۔فقال مہ ذاک ابنہ ابوعمرو۔ فقال ھذا اشیئ قلتموہ بعد واحد ثتموہ ۔ واما الذی عرفت فہو الذی اخبرتک بہ۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ علم نسب کا بڑا واقف کار شخص دغفل معویہ کے دربار میں حاضر ہوا تو دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں۔

معویہ ۔ اے دغفل بتاؤ تو تم نے بزرگان قریش سے کس کس کو دیکھا ہے۔

دغفل۔ عبدالمطلب بن ہاشم اور امیہ بن عبدشمس (جو امیہ کے بزرگ) کو دیکھا ہے۔

معویہ ۔ذرہ مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل۔ جناب عبدالمطلب گورے چمکتے رنگ ۔بلند قامت اور خوبصورت چہرے والے تھے ۔ ان کی پیشانی میں نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت چمکتی رہتی تھی۔ ان کے دس جوان بیٹے ان کو اپنے حلقہ میں لئے رہتے اور وہ سب بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا سب شیر نیستان ہیں ۔

معویہ - اچھا اب امیہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل - وہ ایک ناٹے (پست قامت) دُبلے۔ پتلے۔ اندھے بڈھے تھے جن کو اُن کا غلام ذکوان تمام کھینچتا پھرتا تھا۔

معویہ - کیا بکتے ہو وہ ان کا بیٹا ابو عمر تھا۔

دغفل - یہ بات تو اب تم لوگ کہنے لگے ہو اور بعد کو اسکی ایجاد کی گئی ہے۔ میں جو کچھ اوسکی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے (اغانی جلد ۱ صـ)۔

علامہ حلبی نے لکھا ہے :- کان عبد المطلب یامر اولادہ تبرک الظلم والبغی ویحثھم علی مکارم الاخلاق وینھاھم عن دنئیات الامور وکان یقول لن یخرج من الدنیا ظلوم حتی ینتقم منہ وتصیبہ عقوبۃ الی ان ھلک رجل ظلوم من اھل الشام لم تصبہ عقوبۃ نقیل لعبد المطلب فی ذلک نفکر وقال واللہ ان وراء ھذہ الدار دارا یجزی فیھا المحسن باحسانہ ویعاقب المسئی باساءتہ اے فالظلوم شانہ فی الدنیا ذلک حتی اذا خرج من الدنیا ولم تصبہ العقوبۃ فھی معدۃ لہ فی الاخرۃ ورفض فی آخر عمرہ عبادۃ الاصنام ووحد اللہ سبحانہ وتعالے وتوثر عنہ سنن جاء القرآن باکثرھا وجاءت السنۃ بھا منھا الوفاء بالنذر والمنع من نکاح المحارم - وقطع ید السارق والنھی عن قتل الموؤدۃ وتحریم الخمر والزنا وان لا یطوف بالبیت عریان - جناب عبد المطلب اپنی اولاد کو حکم دیتے رہتے کہ خبردار کبھی ظلم۔ بغاوت یا کسی سے زیادتی نہ کرنا۔ اور مکارم اخلاق اختیار کرتے اور دنارت کی باتوں سے بچتے رہنا۔ اور کہتے تھے کہ جو شخص کسی پر ذرہ برابر ظلم کریگا وہ دنیا سے بغیر اسکی سزا پائے نہیں جاسکتا۔ اتفاق یہ کہ شام کا ایک ظالم شخص مرگیا مگر اس کو اسکے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملی تھی۔ لوگوں نے جناب عبد المطلب سے اس کا حال بیان کرکے پوچھا کہ اگر ظلم کا بدلہ دنیا میں ملنا ضروری ہے تو فلاں شخص کو کیوں نہیں ملا۔ آپ نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا اور کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک اور گھر (آخرت) بھی ہے جہاں اس دنیا کے اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور بُرا کام کرنے والوں کو بُرا بدلہ ملے گا۔ یعنی ظالم کی شان یہی ہے کہ دنیا میں اس کو بدلہ ملے اور اگر یہاں سے بچ کر چلا گیا اور اوسکو کوئی بدلہ نہیں ملا تو آخرت میں

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کجھوا (صوبہ بہار)

نمبر شمار	مضمون	راقم	صفحہ
۱	معذرت وغیرہ۔ اس صفحہ کو فہرست کے نیچے مزید پڑھیے	منیجر	ٹائٹل صفحہ ۲ رسالہ
۲	خلیفہ دوم کی محققانہ سوانح عمری	〃	
۳	دشمنان خدا اور رسول پر تبرا شیعوں کا جزو ایمان ہے۔	آغا جعفر صاحب کھجوی	۳
۴	حق کا بول بالا	ایک حنفی صاحب کا اشتہار	۵
۵	شیعو جلد اپنی خبر لو	آغا جعفر صاحب کھجوی	۸
۶	اخبار سہند اور مدح صحابہ	منقول	۹
۷	ایڈورڈ ہشتم اور خلیفہ ہارون الرشید	مولوی سید ظہیر حیدر صاحب کھجوی	۱۰
۸	زنانہ کالج میں تعلیم کا اثر	منقول	۱۲
۹	حضرت حسین شہید (نظم)	〃	۱۳
۱۰	حضرت علیؑ کا قرآن اور خواجہ حسن نظامی کا ایمان	〃	〃
۱۱	حضرت حسین شہید (نظم)	〃	۱۴
۱۲	نئی دہلی میں شیعہ مسجد		
۱۳	مبارکباد - ملک بر آئین عزاداری - وقف حنفیہ	منیجر	۱۶

معذرت جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام ظلہ مدیر رسالہ اصلاح کی صحت اچھی نہیں رہتی خصوصاً ضعف قلب کی شکایت بہت پریشان رکھتی ہے۔ کام کی قوت نہیں ملتی اور بغیر آپ کے بتائے ہوئے دوسرے کارکن سے کل کام انجام نہیں پاتا۔ اس نمبر کی اشاعت میں بھی بہت تاخیر ہوئی۔ ناظرین معاف کریں اور دعا فرمائیں کہ ممدوح کی یہ شکایت جلد رفع ہو۔

سنہ ۱۳۵۶ ہجری کا چندہ رسالہ اصلاح کا چندہ بکثرت حضرات کے ہاں سنہ ۵۵ ہجری کا بھی باقی ہے اور سنہ ۵۶ھ کا بھی۔ کل حضرات جلد بذریعہ منی آرڈر عنایت فرما کر شکر گزار کریں ورنہ آیندہ نمبر بذریعہ وی پی کے حاضر ہوگا۔ ناظرین شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیجا اور خط سے چندہ کیوں نہ طلب کر لیا۔ ان کل حضرات سے التماس ہے کہ ہر شخص کو خط بھیجنے میں دفتر کا بہت نقصان ہوتا ہے بس اس اطلاع کو آپ خط سمجھکر فوراً اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر عنایت فرمائیں۔

انصار اصلاح حسب ذیل ہمدردان اصلاح نے اس رسالہ کو جدید خریدار عنایت فرما کر شکر گزار کیا خداسب کو جزائے خیر دے (۱) جناب مولانا السید محمد داؤد صاحب قبلہ ریاست رام پور ۲ (۲) جناب سید اقبال حسین صاحب کمیونڈر جانسٹھ ۱ (۳) جناب شیخ علی نقی صاحب تحصیلدار چکیا ۱ (۴) جناب مولوی سید اظہار حسنین صاحب عشروی صدر الافاضل ۱ (۵) جناب اہلیہ محترمہ مسٹر سید سراج الحسن صاحب بیرسٹر حیدر آباد دکن ۱ (۶) جناب مولوی سید نجم الحسن صاحب فقیہ فاضل کراری ۱ (۷) جناب سید ظہور قاسم صاحب کھجوی ۱ (۸) جناب سید کاظم حسین صاحب اوورسیر ضلع نینی تال ۱ (۹) جناب آغا سردار حسین علی خان صاحب قزلباش پنشنر لاہور ۲ (۱۰) جناب نواب فیاض علی خان صاحب بہادر حیدر آباد دکن ۱ (باقی آیندہ)

اصلاح

جلد ۲۱ | ماہ صفر المظفر ۱۳۵۶ ہجری | نمبر ۲

خلیفہ دوم کی محققانہ سوانح عمری

مومنین کو مدت دراز سے اس عظیم الشان اصلی اور تحقیقی سوانح عمری کا اشتیاق ہے اور ہم نے بھی وعدہ کیا تھا کہ مشین پریس آجانے کے بعد اس سوانح عمری کو شائع کر کے مومنین کا اشتیاق علمی پورا کیا جائیگا۔ ایک طرح اس وعدہ کا نصف تو ہم پورا کر چکے کیونکہ حضرت عمر کی سوانح عمری میں حضرت ابوبکر کے حالات کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے متعلق ان دونوں بزرگوں نے جو کچھ کیا وہ تنہا نہیں بلکہ اپنی متفقہ قوت سے انجام دیا اور وہ مثل آفتاب روشن ہے۔ گویا دونوں بزرگ دو قالب اور ایک روح تھے یا یوں کہئے کہ اس شعر کے مصداق اصلی انھی دونوں حضرات کی ذات تھی۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ؛؛ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور خدا کے فضل و کرم سے خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا یہ پہلا جزو یعنی حضرت ابوبکر کی سوانح عمری جس درجہ مفید دلچسپ اور ایمان افروز ہوئی اس سے ناظرین اصلاح اچھی طرح واقف ہیں۔ اب ضرورت اور شدید ضرورت ہے کہ دوسرا جزو بھی جلد از جلد شائع ہو جائے۔ مومنین بھی بار بار تقاضے کر رہے ہیں کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی جلد از جلد شروع کی جائے اور ہم بھی اس کے لئے بہت بے چین ہیں کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں صحت اور قوت اپنے اختیار کی چیز نہیں۔ پس جس قدر جلد یہ ضروری خدمت دین انجام پا سکے اس کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے مگر ہم نے چند مرتبہ اس کو بھی ظاہر کر دیا کہ جب تک دو معین مصنف ہماری مدد نہ کریں اس وقت تک یہ کام اعلےٰ درجہ کا انجام نہیں پا سکتا۔ ان کا حق محنت اگر صرف پچاس پچاس روپیہ ماہوار رکھا اور چار

سال میں یہ کام تمام کیا جائے تو چار ہزار آٹھ سو روپیئے ان مصنفوں کے لیے مطلوب ہوں گے۔
اور اسکی بھی شدید ضرورت ہے کہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے مشہور سوانح عمری الفاروق جن
کتابوں کی مدد سے لکھی ہے وہ بھی پیش نظر رکھی جائیں۔ تاکہ حضرت عمر کے اصلی حالات پر جو پردے
ڈال دیئے گئے ہیں وہ ہٹائے جاسکیں اور آپ کی سچی تصویر بے نقاب ہوسکے۔ مگر وہ کتابیں
کم از کم تین ہزار دو سو روپیہ میں مہیا ہوسکتی ہیں۔ پس اگر آپ حضرات آٹھ ہزار روپیہ کا جلد از جلد
انتظام کردیں تو سوانح عمری کا کام بھی فوراً شروع کردیا جائے۔ اور محرم ۱۳۳۴ہجری سے وہ شایع بھی ہونے لگے
مولوی شبلی صاحب نے کتاب سیرۃ النبی کے لئے برادران اہلسنت سے پچاس ہزار روپیہ کی
اپیل کی تو ان کے لئے اس سے بہت زیادہ کا سامان ہوگیا۔ پھر خلیفہ دوم کی سوانح عمری کا کام
تو اس سے بہت زیادہ دشوار ہے۔ مگر ہم اس کے لئے صرف آٹھ ہزار روپیہ چاہتے ہیں۔ اگر
آٹھ سو خریدار صرف دس دس روپیہ سے مدد کردیں تو آسانی سے آٹھ ہزار پورے ہوجائیں بلکہ
جناب مولوی سید زین العابدین صاحب دام مجدہ مقیم باندا نے اس فنڈ میں دس روپیہ دے بھی دیئے
ہیں اور اب صرف سات ہزار نوسو نوے (۷۹۹۰) کی کمی ہے پس آپ حضرات بھی جلد توجہ کرکے دس دس روپیہ بھیجدیں
کہ اب تاخیر اشاعت برداشت نہیں ہوتی۔ ہم نے ایک بیر یہ بھی ذکر کی تھی کہ آپ حضرات میں سے ہر شخص
دو دو صاحبوں کو سوانح عمری خلیفہ اول مکمل قیمتی چار روپیہ کا اور ایک صاحب کے تصویر عزا قیمتی دو روپیہ کا
خریدار بنا کر ان سے دس دس روپیہ وصول کرکے اگر بھیجدیں اور ہم سے ان دونوں کتابوں کے نسخے طلب
کرکے ان خریداروں کو دے دیں تو آسانی سے اس رقم کا سامان ہوجائے اور کسی پر کچھ بار بھی
نہ ہو۔ اب شکایت نہ کیجئے گا کیونکہ ہمیں جو کچھ کہنا تھا چند مرتبہ کہہ چکے اور جس ضرورت کے پوری
ہونے پر اسکی اشاعت موقوف ہے اس کو اچھی طرح واضح کردیا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر ۳۰ ربیع الثانی
تک اس رقم کا آپ حضرات نے سامان کردیا اور پہلی جمادی الاولیٰ سے دونوں معین مصنف اس خدمت
کو انجام دینے لگے تب کتاب اس قابل ہوسکتی ہے کہ انشاء محرم ۱۳۳۵ہجری سے شایع ہوسکے۔ غرض جو
کچھ آپ حضرات کو کرنا ہے مہینہ دو مہینہ میں کرلیجئے۔ ورنہ وقت نکل جائے گا۔ تو کف افسوس ملنا ہوگا اور
پھر سوانح عمری کا اشتیاق رہ ہی جائیگا۔ پس ایک دفعہ کھڑے ہوجایئے اور اس نمبر کے پہونچتے ہی دس روپیہ کا
سامان کردیجئے تاکہ حضرت عمر کی پوری تصویر کشی کا انتظام ہوجائے۔ یہ دس روپیہ یہاں نہ بھیجئے بلکہ جہاں
ہم لکھیں وہاں روانہ کرکے مشکر گزار کریں تاکہ آپکی رقمیں یہاں آکر ضروریات دفتر میں نہ خرچ ہوجائیں۔

دشمنان خدا اور رسولؐ پر لعنت کرنا شیعوں کا جزو ایمان ہے

(قرآن مجید اور علمائے اہلسنت کی تصدیق)

اس وقت لکھنؤ میں مدح صحابہ کے متعلق گورنر صاحب بہادر صوبہ متحدہ کے پیش نظر یہ امر ہے کہ برادران اہلسنت کو شاہ راہ عام پر مدح صحابہ کی اور شیعوں کو دشمنان خدا و رسول پر لعنت کرنے کی اجازت دی جائے یا نہیں ۔ ممدوح نے اس کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی قائم کی تھی جس نے دونوں جماعتوں کا بیان لیکر طرفین سے ان کے دعووں پر بحث بھی کرائی اور بہت جلد گورنر صاحب اس کا فیصلہ بھی کردیں گے ۔ اس لئے ہم بھی بصد ادب حضور ممدوح کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ قرآن مجید کے ہر حرف پر عمل کرنا کل شیعوں کا فرض ہے ۔ لہذا اگر قرآن مجید میں کسی جماعت پر لعنت کی گئی ہو تو شیعہ بھی مجبور ہیں کہ ان پر لعنت کریں ۔ مثلاً خدا فرماتا ہے فنجعل لعنۃ اللہ علی الکاذبین ۔ ہم لوگ جھوٹوں پر خدا کی لعنت کرتے رہیں (پ۳ رکوع ۱۴) اور حضرت عمر کے بارے میں خود صحیح بخاری میں جو حضرات اہلسنت کی سب سے زیادہ صحیح اور معتبر کتاب ہے لکھا ہوا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے انتقال پر حضرت عمر قسم تک ایسی کھاتے تھے جو خلاف واقع تھی ۔ عن عائشۃ زوج النبیؐ ان رسول اللہؐ مات وابوبکر بالسنح قال اسمعیل تعنی بالعالیۃ فقام عمر یقول واللہ ما مات رسول اللہ ۔ حضرت رسولخداؐ کی زوجہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ رسولخداؐ جب انتقال کر گئے اور حضرت ابوبکر اُس وقت سنح میں تھے تو حضرت عمر کہتے تھے خدا کی قسم رسول اللہؐ مرے نہیں ہیں (صحیح بخاری پ۱۴ صفحہ ۳۶۲ باب مناقب حضرت ابوبکر) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم انتقال کر گئے مگر حضرت عمر اس سے انکار کرتے رہے بلکہ قسم تک کھاتے تھے کہ رسولخداؐ مرے نہیں ہیں ۔ حالانکہ حضرت عائشہ تک جن پر حضرتؐ کی وفات کا اثر حضرت عمر سے بہت زیادہ ہونا چاہئے صاف صاف فرماتی تھیں کہ رسولؐ مر گئے اور حضرت ابوبکر نے بھی سنتے ہی کہدیا کہ رسولؐ مر گئے ۔ پس جب رسول خداؐ مرچکے تھے تو تو حضرت عمر اپنے اس قول میں کہ رسول اللہؐ مرے نہیں ہیں سچے نہیں تھے اور انکی قسم بھی سچی نہیں تھی ۔ اور جھوٹے پر خدا کی لعنت اور پر مذکور ہوچکی ۔ اب نیتو آسان ہے کہ حضرت عمر اپنے اس غلط قسم کھانے پر خدا کی کس چیز کے مستحق تھے ۔ پس وہی چیز شیعہ بھی نظر کوں پر کہنا چاہتے ہیں ۔ انکی اجازت ان کو ضرور ملنی چاہئے ۔ اُسی قرآن مجید میں یہ بھی ہے :۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ

لعنهم الله فی الدنیا والآخرۃ واعد لهم عذابا مهینا جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت پہونچاتے ہیں اللہ ان پر دنیا میں بھی لعنت کرتا رہے گا اور آخرت میں بھی اور ان کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب طیار کر رکھا ہے (پ ۲۲ ع ۴) ۔ اس سبب سے انکی پیروی میں شیعوں کا فرض ہے کہ ہر جگہ ایسے لوگوں پر لعنت کریں جنھوں نے خدا اور رسولؐ کو کسی طرح اذیت پہونچائی ۔

اور ہزاروں علماء اہلسنت بھی اپنی کتابوں میں شیعوں کے اس اعتقاد کی تصریح کرتے رہتے ہیں سب کی عبارت نقل کرنا باعث طوالت ہوگا اس وجہ سے ہم صرف ایک کتاب کی عبارت درج کرتے ہیں جو حال ہی میں لکھی گئی اور چند ہی سال ہوئے کہ چھپی ہے اور اوس کے مصنف ایسے جلیل القدر تھے کہ ریاست حیدر آباد دکن کی بڑی بڑی دینی خدمتیں ممدوح کے سپرد رہیں ۔ اور تمام ہندوستان کے اہلسنت خصوصاً فرقۂ اہلحدیث کے حضرات ان کو اپنا مذہبی پیشوا تسلیم کرتے ہیں یعنی جناب مولانا وحید الزمان خاں صاحب حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں "ہم اہلسنت کا یہ مشرب نہیں ہے کہ کسی پر لعنت کرنا یا کسی کو برا کہنا جزو ایمان سمجھیں جیسے حضرات امامیہ کا مذہب ہے مگر ہم کو یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ اگر کوئی ان بدکاران دشمنان اہلبیت کی برائی کرے تو ہم انکی حمایت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور انکی مدح و ثنا کریں" ۔ (ملاحظہ ہو کتاب انوار اللغۃ پ ۳۱ صفحہ ۱۰ مطبوعہ بنگلور در سنہ ۱۳۳۴ ہجری) ۔ اس سے دونوں باتوں کا فیصلہ ہو گیا کہ (۱) دشمنان اہلبیت پر لعنت کرنا حضرات شیعہ کا مذہب ہے (۲) انکی مدح کرنا سنیوں کا مذہب نہیں ہے نہ ان کے لئے کسی طرح ضروری ہے بلکہ یہ صرف شیعوں کے چڑانے اور انکی دل آزاری کے لئے ایجاد کیا گیا اور ان کے بزرگان دین کو اشارہ ۔ کنایہ ۔ تلمیح و تعریض سے گالیاں دینے کے لئے نکالا گیا ہے ۔ ورنہ صحابہ سے پہلے تو خود حضرت رسولخدا صلعم ہیں ۔ پھر حضرتؐ کی مدح سڑکوں پر اس طرح کیوں نہیں پڑھی جاتی ۔ قرآن مجید کی حقیت و محاسن کا ڈھنڈھورا بڑی بڑی راہوں میں کیوں نہیں پیٹا جاتا ۔ خدا کی توحید کا اعلان اس طرح شاہراہ عام پر کیوں نہیں کیا جاتا ۔ مذہب اسلام کی حقیت کا ڈنکا راستوں پر کیوں نہیں بجایا جاتا ۔ یہ وہ سوالات ہیں جن پر اگر گورنر صاحب غور فرمائیں تو بہت آسانی سے مدح صحابہ شورش کے اصلی راز کو پا سکتے اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے میں اچھی طرح کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ ملک کے انصاف پسند غیر لکھنوی مگر سنی اخباروں کے مضامین کو بھی اچھی طرح پڑھنے کی شدید ضرورت ہے کیونکہ وہ بھی اسی مذہب کے پابند ہیں جو لکھنوی سنی حضرات کا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے مقامات کے اہل سنت تو مدح صحابہؓ کا نام بھی نہ لیں اور لکھنؤ میں اس قدر نزاع بلکہ فتنہ کا بازار گرم کیا جائے ۔

حق کا بول بالا

حضرت حجۃ الاسلام امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب محمدث کاکوروی مدیر اخبار النجم لکھنؤ کے ارشاد کی مکمل تصدیق

یعنی

قاتلان امام حسین شیعہ تھے

خدا کی قدرت سے آج یہ حقیقت بالکل سامنے آگئی کہ جن لوگوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا اور شہید کیا۔ اور جنھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا اور شہید کیا وہ سب کے سب حضرات شیعہ تھے۔ چنانچہ مسلمانان جونپور نے ایک مقدمہ دائر کرکے حق کو دکھانے اور باطل کو مٹانے کے لئے اپنے مندرجہ ذیل عرضی دعوے میں اون شیعہ بزرگوں کے اسمار گرامی کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتلا دیئے ہیں۔ اور احاطۂ عدالت میں شیعیت کا بھانڈا پھوڑ دیا ہے۔ یہاں ناظرین کی مزید توجہ کے لئے اون حضرات کی بعض خصوصیات بھی حوالۂ قلم کی جاتی ہیں۔

تعارف

اسمار بزرگان شیعیان بنی امیہ مندرجہ عرضی دعوے مذکور	حضرات موصوفین کی بعض دینی خدمات
حضرت امیر معاویہ بن حضرت ابوسفیان	آپ حضرت علی مرتضیٰؓ سے اونکی شہادت تک برابر جنگ و جدل کرتے رہے اور آپ ہی کے حکم اور کوشش سے حضرت علی مرتضیٰؓ پر ۹۹ سنہ ھ کے بعد تک منبروں پر علانیہ تبرا ہوتا رہا اور آپ نے امام حسنؓ کو زہر دلوا کر مرتبۂ شہادت دلوایا۔
حضرت عبد الرحمن بن ملجم	آپ نے زہر کی بجھی ہوئی تلوار سے مسجد کوفہ میں حضرت علی مرتضیٰؓ کو صبح کی نماز کے پہلے سجدے میں شہادت سے سرفراز کیا۔
حضرت یزید بن امیر معاویہ	آپ نے امام حسینؓ کے قتل کا حکم دیا۔ اور شہید کرانے کے بعد اہلبیت حسینیؓ کو سال بھر تک دمشق میں قید رکھا۔
حضرت جعدہ بنت اشعث	آپ امام حسنؓ کی بیبیوں میں سے تھیں آپ نے حضرت امیر معاویہ و حضرت مروان ابن حکم کے حکم اور مشورے سے حضرت امام حسنؓ کو زہر دیکر شہید کیا آپ کے نامور بھائی حضرت محمد بن اشعث بھی امام حسینؓ کے قاتلوں میں تھے۔

نام	حالات
حضرت عبید اللہ بن زیاد	آپ نے حضرت یزید کی طرف سے حاکم کوفہ ہو کر حضرت امام حسینؓ اور اونکے بہتر عزیز و انصار کو میدان کربلا میں نہر فرات کے کنارے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کرایا اور اہلبیت حسینؓ کو اپنے دربار عام میں سر برہنہ بلوایا۔
حضرت عمر بن سعد	آپ میدان کربلا میں حضرت یزید کی افواج کے کمانڈر انچیف تھے۔ آپنے امام حسینؓ کے دیگر عزیز و انصار کے بعد امام حسینؓ کے چھ مہینے کے بچہ کو حضرت حرملہ بن کاہل کے تیر سے اوس وقت شہید کرایا جبکہ امام حسینؓ اوس دودھ پیتے بچہ کو اپنے ہاتھوں پر اوٹھائے اوس تین دن کے بھوکے پیاسے کے لئے فوج یزید سے پانی مانگ رہے تھے۔ آپنے شہادت امام کے بعد خیمہ گاہ حسینیؑ میں آگ لگوادی اور امام سجادؑ کو جو بیمار تھے طوق اور ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں اور عورتوں اور بچوں کو رسیوں میں جکڑوادیا۔ اور اپنی فوج کے کشتوں کو دفن کرایا اور امام حسینؓ اور دیگر شہیدوں کی لاشیں بغیر دفن چھوڑ کر آپ کوفہ کو تشریف لے گئے
حضرت شمر ذو الجوشن	آپ نے اپنے دست مبارک سے دسویں محرم بروز جمعہ بوقت عصر نماز عصر کے پہلے سجدے میں امام حسینؓ کو شہید کیا۔ اور کربلا سے کوفہ اور شام تک امام سجادؑ کو تازیانے اور سکینہ بنت حسینؑ کو جو کہ چار سال کی تھیں طمانچے مارتے ہوئے لے گئے۔
حضرت سنان بن انس	آپ نے امام حسینؓ کو سینہ پر نیزہ مار کر گھوڑے سے زمین پر گرایا۔ اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ ہی نے امام حسینؑ کو شہید کرنے کی ناموری حاصل فرمائی۔
حضرت ابو ایوب غنوی	آپنے امام حسینؓ کے منہ پر ایسا تیر مارا کہ آپ پھر آسانی سے کلام نہ کر سکے۔

نقل عرضی دعوے مذکور الصدر از اخبار الواعظ لکھنؤ مورخہ ۸ اپریل ۱۹۳۷ء جلد ۱۶ نمبر ۱ صفحہ ۳

بعدالت سب جج جونپور نمبر مقدمہ ۳۳ سنہ ۱۹۳۷ء شیخ عبد العزیز ولد عبد الوہاب ساکن محلہ عبیر گر ٹولہ شہر جونپور و سلامت علی ولد سجاد علی ساکن محلہ اجمیری و شیخ اسمٰعیل ولد مولا بخش و محمد جمیل ولد ابراہیم ساکنان تارٹلہ شہر جونپور مدعیان۔

بنام

اس جگہ تقریباً ترپن شیعہ معززین کے نام بحیثیت مدعا علیہم درج ہیں

مدعیان مذکوران حسب ذیل عرض پرداز ہیں۔ دفعہ ۱۔ مدعیان پابند مذہب اسلام ہیں اور اس فرقہ

تعلق رکھتے ہیں جو شیعہ بنو امیہ کہلاتا ہے۔ دفعہ ۲۔ مدعیان خلفائے بنی امیہ خصوصاً امیر المومنین امام المتقین سیدنا حضرت معاویہ و امام المومنین و سید المسلمین سیدنا حضرت یزید بن امیر معاویہ علیہم السلام کو مسلمانوں کو امام واجب الطاعت اور محفوظ عن الخطاء مانتے ہیں۔ اور اونکے مخالفین اور معاندین کو جادۂ حق سے منحرف اور خطاکار جانتے ہیں۔ دفعہ ۳۔ مدعیان یعسوب المومنین و امیر الاجمعین حضرت عبد الرحمٰن بن ملجم و سیدہ جعدہ بنت الاشعث و حضرت فردوس مکان جنت نشان فاتح جنگ کربلا سید المومنین حضرت عبید اللہ بن زیاد و خلد آرام جنت مقام امیر العسکر شیخ التقی سید المومنین حضرت عمرو بن سعد و اسد اللہ فی عصرہ امیر الجیوش القاہرہ حضرت شمر ذی الجوشن و مرد صالح خیر البریہ فی عہدہ حضرت سنان بن انس و خلد آشیان قدر انداز بنیظیر حضرت ابو ایوب غنوی علیہما السلام کو اپنا پیشوا اور محسن اسلام و المسلمین سمجھتے ہیں اور اون کے مناقب بیان کرنے کو عبادت جانتے ہیں۔ دفعہ ۴۔ مدعیان نے ایک اشتہار شائع کیا تھا کہ ۱۴ر جنوری ۱۹۳۶ء کو وہ ایک جلوس جونپور میں نکالنا چاہتے ہیں جو مزار پیر دکی رح سے اٹھیگا اور محلہ جات شہر جونپور محلہ دریبہ و مفتی محلہ و اجمیری و مسجد تلہ ہوتا ہوا محلہ بازار چہار سو سے زیر قلعہ ہو کر محلہ بلوگھاٹ و سپاہ ہوتا ہوا جھنجھری مسجد پر ختم ہوتا اور جلوس مذکور میں جھنڈے اور کتبے ہوتے جن پر نامی و اسم گرامی موصوفین متذکرہ بالا کے تحریر ہوتے اور جلوس مذکور میں حضرات موصوفین کے مناقب و فضائل بیان کیے جاتے دفعہ ۵۔ اشتہار مذکور کے شائع ہونے پر چند مدعا علیہم نے بطور نمایندگان شیعیان جونپور صاحب مجسٹریٹ ضلع جونپور سے جاکر مدعیان کے جلوس کی بابتہ غلط بیانیاں کیں اور معترض ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب مجسٹریٹ ضلع نے زیر دفعہ ۱۴۴ ہمارے جلوس کو روک دیا۔ دفعہ ۶۔ بموجب فرمان ملکہ معظمہ و فرامین شاہان برٹش گورنمنٹ ہر اہل مذہب اپنے عقیدے کے مطابق اپنے پیشوایان دین کی تعریف کرنے کا حق ہر شارع عام پر رکھتا ہے۔ دفعہ ۷۔ مدعا علیہم بلا وجہ جائز مدعیان کے حق سے منکر اور اُس پر معترض ہیں اور بعض مدعا علیہم کے فعل ناجائز کی وجہ سے حکومت مقامی نے مدعیان کو جائز جلوس نکالنے سے روک دیا جس کے ذمہ دار مدعا علیہم ہیں۔ دفعہ ۸۔ مدعا علیہم بحیثیت قائم مقامان شیعیان جونپور حسب آرڈر (۱) رول (۸) ضابطہ دیوانی فریق بنائے جاتے ہیں۔ دفعہ ۹۔ بنا مخاصمت نالش ہذا بتاریخ ۱۳ر جنوری ۱۹۳۶ء جبکہ چند مدعا علیہم نے بحیثیت نمایندگان شیعہ مجسٹریٹ ضلع سے غلط بیانی کی اور جلوس پر معترض ہوئے اور اندر حدود اختیار سماعت عدالت ہذا پیدا ہوئی مبلغ دفعہ ۱۰۔ تعین نالش بغرض اختیار سماعت مبلغ پندرہ ہزار روپیہ ہے

اور مبلغ پندرہ روپیہ رقوم مقررہ ادا کیا جاتا ہے۔ استدعاء دادرسی حسب ذیل ہے:-

(الف) استقرار فرمایا جائے کہ مدعیان مستحق ہیں کہ جب چاہیں اپنا جلوس شہر جونپور کے ہر شارع عام پر بالعموم اور بالخصوص مزار پیر دکنی رحمۃ اللہ علیہ سے محلہ دریبہ ومفتی محلہ۔ اجمیری مسجد تلہ ہوتا ہوا بازار چہار سو سے زیر قلعہ ہو کر محلہ بلوا گھاٹ وسپاہ ہوتا ہوا جھنجھری مسجد پر جا کر ختم کریں جس میں جھنڈے اور کتبے رہیں جن پر نام نامی واسماء گرامی یعسوب المومنین امیر الاجمعین حضرت عبد الرحمٰن ابن ملجم و حضرت سیدہ جعدہ و دافع الفتنہ امیر الشام حضرت یزید بن معاویہ و حضرت فردوس مکان جنت نشان فاتح جنگ کربلا سید المومنین عبید اللہ بن زیاد و خلد آرام جنت مقام امیر العسکر شیخ التقی سید المومنین حضرت عمر بن سعد و اسد اللہ فی عصرہ امیر الجیوش القاہرہ حضرت شمر ذی الجوشن و مرد صالح خیر البریہ فی عہدہ حضرت سنان بن انس و قدر انداز بے نظیر حضرت ابو ایوب غنوی علیہما السلام تحریر رہیں (ب) کل خرچہ مقدمہ مدعا علیہم سے دلایا جائے"۔ بندۂ ناچیز معین الدین حیدر حنفی قادری غوثی علیجان منزل محلہ قریشیان امروہہ (یوپی)

۲۰ ؍اپریل ۴۷ء علی گڈھ پریس دہلی"

اصلاح یہ ایک مطبوعہ اشتہار کی نقل ہے جس کو امروہہ کے کسی انصاف پسند حنفی بھائی نے بڑے موقع سے شائع کیا اور جس سے عبد الشکور صاحب اڈیٹر النجم کے بست سالہ محنت پر پانی پھیر دیا ہے۔ خدا کریم ان معزز حنفی قادری غوثی بھائی کو اجر جمیل عطا فرمائے۔

شیعو! جلد اپنی خبر لو

جس طرح اس وقت دنیا کی بڑی سلطنتیں اپنے کو بڑھانے اور دوسری حکومتوں کے مٹانے میں غیر معمولی کوشش کر رہی ہیں اور جاپان۔ امریکہ۔ برٹش اٹلی اپنے غلبہ کی جد وجہد میں دن رات مشغول ہیں اسی طرح ہندوستان میں ہندو اور سنی حضرات دوسروں پر غالب رہنے کی ہر ممکن صورت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر مونجے کا ہندوؤں کے لئے فوجی کالج قائم کرنا اور پھر مسلم یونیورسٹی کی طرف سے مسلمانوں کے لئے بھی فوجی کالج قائم کرنے کی تجویز اپنے اغراض کو اچھی طرح واضح کر رہی ہے۔ ایسی صورت میں شیعیان ہند کو جلد بیدار ہو کر وہ تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں جن سے یہ لوگ دوسروں کے ظاہری و باطنی حملوں سے محفوظ رہ سکیں سب سے پہلی تدبیر تو یہ ہے کہ یہ قلیل جماعت اپنی تعداد ہندوستان میں جلد از جلد دس کروڑ تک پہونچا دے۔ خوشحال شیعہ چار تک نکاح اور پھر متعہ کر کے اپنی نسل بڑھائیں۔ اس مضمون کو مذاق نہ سمجھئے بلکہ زمانہ موجودہ کا اہم فرض اور مرض فنا کا مفید ترین علاج خیال فرمائیے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے کل مومنین کو تاکیدی حکم دیا ہے تناکحوا وتناسلوا تکثروا اتم لوگ متعدد نکاح اور متعہ کر کے اپنی نسل بڑھاؤ کہ تعداد میں زیادہ ہو جاؤ پس جس قدر اس علاج سلالی پر آپ عمل کیجئے گا اسی قدر آپ کا مرض اقلیت زائل ہو جائے گا۔ حقیر آغا جعفر ساکن کھوا

اخبارِ ہند اور مدحِ صحابہ

ایک حق پسند

لکھنؤ میں آج کل مدح صحابہ کا قضیہ بڑے زوروں پر جاری ہے۔ اسی سلسلہ میں کلکتہ کے مشہور ہفتہ وار اخبار ہند کی ۳۰ مئی کی اشاعت میں مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے جو سیاسی اور صحافتی دنیا میں محتاج تعارف نہیں ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ چونکہ مقالہ مذکور قدرے طویل ہے اور اسمیں بعض جگہ نفس مضمون (یعنی مدح صحابہ) سے علحدگی اختیار کرکے بعض اور باتیں بھی لکھدی گئی ہیں۔ اس لئے ذیل میں اس کا صرف وہ حصہ اقتباس کرکے درج کرتا ہوں جس کا تعلق براہ راست موجودہ "مدح صحابہ" کے شرمناک قضیہ سے ہے میرا مقصد صرف دنیا پر یہ روشن کرنا ہے کہ "غیر شیعی" یا یوں کہئے کہ "سنی" نگاہوں میں اس قضیہ کی کیا حقیقت ہے۔ مولانائے مذکور تحریر فرماتے ہیں:۔ "سنی علماء کا بیان ہے کہ مدح صحابہ ہمارا مذہبی حق ہے۔ پوچھا گیا کہ اسکی دلیل کیا ہے تو یہ عجیب جواب انھوں نے دیا "مدح صحابہ خود قرآن میں موجود ہے"۔ میری سمجھ میں یہ دلیل نہیں آئی۔ قرآن مجید میں حضرت نوح، صالح، موسیٰ، عیسیٰ علیہ السلام انبیاء کی تعریف بھی ہے پھر آپ کیوں سڑکوں پر ان کی تعریفیں گاتے نہیں پھرتے؟ یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جس چیز کی تعریف کی گئی ہے اُسکی تعریف گانا ہمارا حق ہے۔ قرآن مجید میں نیکیوں کی تعریف ہے۔ فرشتوں کی تعریف ہے۔ جنت کی تعریف ہے مگر آپ تو ان چیزوں کی شان میں قصیدے نہیں گاتے اور اگر آپ کی یہ دلیل مان لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید میں جن چیزوں کی مذمت کی گئی ہے ان کی مذمت کے اشعار بھی آپ کو گانا چاہئے مگر کیا آپ شیطان کی ہجو سڑکوں پر گاتے پھرینگے؟

سنی علماء کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مدح صحابہ پڑھنا مستحب ہے اور مستحب احکام کو جب روکا جائے تو اوسے کرنا شرعاً واجب ہو جاتا ہے۔ معلوم نہیں یہ شرعی اصول کہاں موجود ہے۔ کیا علماء کرام مجھے بتائیں گے کہ یہ اصل انھوں نے کس نص شرعی سے مستنبط کی ہے؟

سنی علماء کا یہ ارشاد بھی ہے کہ شروع سے مدح صحابہ ہوتی چلی آئی ہے۔ جمعہ کے، عید کے اور حج کے خطبوں میں بھی کی جاتی ہے مگر یہ دعوے بھی صحیح نہیں کہ یہ فعل شروع سے ہوتا چلا آیا ہے۔ عہد صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں خطبوں میں یہ چیز موجود نہ تھی ...... بعض علماء

اکابر نے خطبوں میں اس چیز کو بدعت بتایا ہے۔ پوری ایمانداری سے میرا عقیدہ یہ ہے کہ مدح صحابہ کوئی مذہبی چیز نہیں ہے اور اسے محض شیعوں کی دل آزاری کے لئے جاری کیا گیا ہے۔ سخت حیرت ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور مولانا کفایت اللہ صاحب جیسے علمارِ حق بھی اس فتنہ میں پڑ گئے ہیں اور مسلمانوں کو اصلی کام سے ہٹا کر اس خرافات میں گھسیٹ رہے ہیں۔ علمار کرام کا تو فرض یہ ہونا چاہئے کہ ایسے بے بنیاد جھگڑوں کو مٹاتے"۔ یہ ہے ایک متقدر مسلمان صحیفہ نگار کی راے۔ کوئی حق پسند مولانا ملیح آبادی کے مندرجہ بالا بیان کی صداقت سے انکار نہیں کر سکتا کاش فتنہ پردازی کرنے والے اس مشعل کی روشنی میں حقیقت کا منہ دیکھ سکیں۔

(منقول از سرفراز لکھنؤ ۶ ربیع الاول ۱۳۵۶ ہجری)

ایڈورڈ ہشتم اور خلیفہ ہارون الرشید

زمانۂ موجودہ کا نہایت عبرت خیز واقعہ ہے کہ برٹش امپائر ایسی سلطنت کے سابق بادشاہ ایڈورڈ ہشتم نے ایک (تقریباً ۴۰ سالہ) عورت مسز سمپسن سے شادی کرنے کا ارادہ کیا۔ چونکہ وہ عورت پہلے دو شخصوں کی زوجیت میں رہ چکی تھی نیز قوم و نسل اور عزت و شرف کے لحاظ سے بھی ایسی نہ تھی کہ اس کا ایڈورڈ ہشتم ایسے بادشاہ کی شریک زندگی بننا ارکان دولت کو گوارا ہوتا۔ اس وجہ سے ان لوگوں نے بادشاہ کو اس سے روکا اور وجہ یہ بیان کی کہ ایسی عورت سے بادشاہ کی شادی شاہی خاندان انگلستان کی نہایت ذلت اور توہین ہے۔ مگر بادشاہ کا دل آچکا تھا وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہت سے دست برداری کر لی اور اپنی معشوقہ کے وصال کو سلطنت پر ترجیح دیکر حافظ کے اس شعر سے بھی اپنا درجہ بڑھا دیا ؎

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا ❊ بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

اس پر ہمیں اسلام کے مشہور خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ یاد آیا۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے:-

لما افضت الخلافة الی الرشید وقعت فی نفسه جاریة من جوار المهدی فراودها علی نفسها۔ فقالت لا اصلح لك۔ ان اباك قد طاف بی۔ فشغف بها فارسل الی ابی یوسف فسأله اعندك فی هذا الشیٔ فقال یا امیر المومنین اوکلما ادعت امة شیئا ینبغی ان تصدق لا تصدقها فانها لیست بمامونة۔ قال ابن المبارك فلم ادرمن اعجب۔

من ھذا الذی وضع یدہ فی دماء المسلمین واموالھم یتحرج عن حرمۃ ابیہ۔ اومن ھذہ الامۃ التی رغبت بنفسہا عن امیر المومنین۔ اومن ھذا فقیہ الارض قاضیہا قال اھتک حرمۃ ابیک واقض شھوتک وصیرہ فی رقبتی۔ جب خلافت ہارون الرشید تک پہونچی تو اپنے باپ خلیفہ مہدی کی داشتہ عورتوں سے ایک عورت پر عاشق ہو گیا اور آرزوے وصال پوری کرنے کے لیئے خوشامدیں کرنے لگا۔ مگر اس عورت نے جواب دیا کہ حضور! میں سرکار عالی کے قابل باقی نہیں رہی کیونکہ سرکار کے اباجان (خلیفہ مہدی) میرے ساتھ ہم بستری کرتے رہے ہیں۔ مگر خلیفہ ہارون پر اس کے عشق کا بھوت سوار ہو گیا تھا طبیعت کسی طرح نہیں مانی تو مسلمانوں کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا (امام ابوحنیفہ صاحب کے شاگرد رشید) امام ابو یوسف کو بلا بھیجا اور پوچھا تم کوئی ایسی تدبیر بتا سکتے ہو جس سے میں اس (اپنے والد کی مدخولہ) سے لذت وصال حاصل کر سکوں۔ اونھوں نے کہا حضور کیا جو کچھ بھی کوئی عورت دعوے کرےگی اوس کو آپ مان ہی لیں گے؟ وہ اگر کہتی ہے کہ حضور کے والد اوس سے ہم بستری کرتے تھے تو کہنے دیجیے۔ سمجھ لیجیے کہ وہ غلط کہتی ہے اور اپنا مطلب پورا کیجیے کیونکہ اُس کی ہر بات کا اعتبار کرنا تو ضروری نہیں ہے۔ ابن مبارک بیان کرتے تھے میری سمجھ میں نہیں آتا کس شخص پر زیادہ تعجب کروں (۱) اس بادشاہ پر جو مسلمانوں کے خون اور مالوں میں اپنا ہاتھ ڈبوتا رہتا ہے اور اپنے باپ کی حرمت نہ پامال کرنے میں تنگی کر رہا ہے یا (۲) اس عورت پر جس پر بادشاہ زمانہ فریفتہ ہوتا ہے مگر وہ (مذہب اور عفت کا لحاظ کر کے) اس کی ہم بستری سے انکار کرتی ہے یا (۳) اس پیشوائے مذہب امام ابو یوسف پر جو دنیاے اسلام کا امام اور قاضی ہے اور بادشاہ کو مشورہ دیتا ہے کہ اپنے باپ کی عزت برباد کر کے اسکی داشتہ عورت (اپنی سوتیلی ماں) سے اپنی شہوت پوری کیجیے اور اس کے عذاب و گناہ کو میری گردن پر چھوڑ دیجیے (تاریخ الخلفاء ص۱۹۷)۔ بادشاہ ایڈورڈ ہشتم اور خلیفہ ہارون الرشید کے دونوں واقعہ میں حسب ذیل فرق صاف طور پر نظر آتا ہے۔

(۱) ایڈورڈ ہشتم ایک معمولی عورت پر عاشق ہوے جو اُن کی کوئی بزرگ یا کوئی رشتہ دار نہیں تھی مگر خلیفہ ہارون اپنی سوتیلی ماں ہی پر عاشق ہو گئے (۲) مذہبی اعتبار سے ایڈورڈ ہشتم کے لئے وہ عورت کسی طرح حرام بلکہ مکروہ بھی نہیں ہے مگر خلیفہ ہارون کے لئے وہ عورت (جو اون کی سوتیلی ماں تھی) ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی تھی (۳) باوجودے کہ شرعی نقطہ خیال سے مسز سمپسن اور بادشاہ

ایڈورڈ کے لئے ہر طرح حلال ہے مگر صرف بادشاہ کا خاندانی وقار قائم رکھنے کے لئے انگلستان کے بڑے پادری نے بھی بادشاہ کو بہت سمجھایا اور اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے بڑے مذہبی پیشوا نے خلیفہ ہارون کی خوشی کے مقابلہ میں نہ خدا کی پروا کی نہ رسولؐ کی بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ حضور اپنی سوتیلی ماں کو بکنے دیجئے اور شربت وصال سے سیراب ہوجئے۔ دو چار دن کا کیا ذکر ہے دو چار گھنٹہ بلکہ دو چار منٹ بھی اس کو سمجھانے۔ عذاب خدا سے ڈرانے۔ اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرنے کی رسوائی سے بچانے اور مسلمانوں سے شرم دلانے کی کوشش نہیں کی۔ کم از کم یہی کہتے کہ حضور معاملہ بہت نازک ہے۔ مجھے موقع دیجئے کتابوں کو دیکھوں۔ کوئی حیلہ و تدبیر نکالوں اور اس طرح ٹالتے ہوئے کچھ دن گزار کر بادشاہ کے فوری جوش کو ٹھنڈا کرتے (۴) انگلستان کی پبلک تک نے ایڈورڈ ہشتم کی اس خواہش کو پسند نہیں کیا اور نہ ان کا ساتھ دیا۔ مگر مسلمانوں نے خلیفہ ہارون کی اس حرمت ریزی پر اپنے سکوت سے اپنی رضا و تائید کی مہر کردی۔ فقط ظہیر حیدر

زنانہ کالج میں تعلیم کا اثر

ہندوستانیوں میں یورپ کی اندھی تقلید روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ مسلمان بھی اپنی مذہبی تعلیم کو پس پشت ڈال کر یورپ کی ہر اچھی بُری بات کا اختیار کرنا ضروری سمجھنے لگے ہیں۔ انھیں باتوں میں لڑکیوں کو غیر ضروری انگریزی تعلیم دینا بھی ہے جس سے اکثر مقامات پر پردہ اُٹھتا جاتا اور ہماری لڑکیوں کی شرم۔ غیرت۔ عزت۔ حرمت۔ شرافت اور عفت سب خاک میں ملتی جاتی ہے اور باوجود ان نتائج کے ہماری آنکھ نہیں کھلتی۔ حال میں امرتسر کا واقعہ بھی ہمارا دل ہلا دینے کے لئے کافی ہے۔ کاش مسلمان اب بھی سمجھیں اور اس مہلک تقلید یورپ سے اپنے کو محفوظ رکھیں۔ وہ واقعہ یہ ہے:۔

۱۵ر مارچ (۱۹۳۷ء مطابق ۱ر محرم ۱۳۵۶ ہجری) کو صبح کے وقت ایک معزز خاندان کی لڑکی جس کی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال ہوگی۔ جو گورنمنٹ زنانہ کالج کی نویں جماعت میں پڑھتی ہے) ایک بوڑھی خادمہ کے ساتھ تانگے میں بیٹھ کر بیرون شہر اپنے کالج میں امتحان دینے گئی۔ کالج کے دروازے پر پہنچکر ابھی تانگے سے نیچے اُترنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک ڈاکو نے اسے اٹھا کر اپنی موٹر میں ڈال لیا جو پہلے ہی سے اس مطلب کے لئے وہاں تیار کھڑی تھی۔ اُدھر تانگے کے کوچوان۔ لڑکی کی خادمہ اور کالج کی بعض طالبات نے شور مچا دیا مگر دوسرے ڈاکوؤں نے تلواریں دکھا کر

سب کو خوف زدہ کر دیا۔ اُس ہوٹل میں سات مسلح نقاب پوش نوجوان تھے جو دن دھاڑے راہ گیروں کے سامنے اپنی تلواریں چمکاتے ہوئے اس عفیفہ کو لے بھاگے" (اخبار اہلحدیث ۱۲ محرم ۵۶)

امام المسلمین حضرت حسن شہید رضی (از مولوی عبد السمیع صاحب بیدل رام پوری)

نبی عاشق تھے دیدار حسن رضی کے
تھے شائق سیر گلزار حسن رضی کے

تھے فرماتے نبی یہ گل ہے میرا
کیا کرتے تھے نظارے حسن رضی کے

ہوا اس گل کا اب صد چاک سینہ
ہوئے ٹکڑے دل زار حسن رضی کے

دیا ظالم نے ایسا زہر قاتل
گرے کٹ کر جگر پارے حسن رضی کے

گئے برگ خزاں کی طرح مرجھا
تر و تازہ وہ رخسارے حسن رضی کے

لگا خوں آنے اسہال کبد سے
لہو کے چھوٹے فوارے حسن رضی کے

کلیجہ یوں کٹا جاتا ہے گویا!!
جگر پر چلتے ہیں آرے حسن رضی کے

نہیں اب فاطمہ رض اب کون پوچھے
یہ آنسو چشم بیمار حسن رضی کے

علی مرتضیٰ رض بھی اب نہیں حیف
جو ہوں فریادرس پیارے حسن رضی کے

خدا پر چھوڑ بیدل ظالموں کو
وہ بدلے لے گا آزار حسن رضی کے

(منقول از النجم لکھنؤ ۳۰ جلد ۱۵)

حضرت علی کا ترتیب دیا ہوا قرآن اور خواجہ حسن نظامی کا ایمان

خواجہ صاحب دہلوی بڑے عجائب پسند واقع ہوئے ہیں۔ چند دنوں سے آپکی تحریرات کسی خاص مصلحت سے تشیع کی طرف رخ کر رہی ہیں۔ چنانچہ ایک مضمون ان کے روزنامچہ مورخہ ۱۲ اپریل میں حضرت علی کے مرتبہ قرآن کی بابت نکلا ہے جو ناظرین کے لئے درج ذیل ہے۔

"آج میں ملا واحدی صاحب کے ساتھ حکیم محمد احمد خاں صاحب کے مکان پر گیا تھا۔ کیونکہ کل جمعرات کو حکیم صاحب ممدوح جب مجھ سے ملنے آئے تو انھوں نے ذکر کیا تھا کہ ان کے ہاں حضرت علی کی ترتیب کا قرآن مجید موجود ہے۔ مجھے اسکی زیارت کا بہت شوق ہو گیا تھا۔ چنانچہ آج جا کر میں نے اس کو دیکھا۔ قلمی ہے۔ سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہے پھر اقرا ہے پھر سورہ نون ہے۔ غرض قرآن مجید کے نازل ہونے کی ترتیب اس قرآن میں ہے اور یہ

بہت موزوں ترتیب معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عثمان کی مروجہ ترتیب میں کوئی نقص تو نہیں ہے اور نہ حضرت علی کی ترتیب میں کوئی زیادتی ہے۔ لیکن بلحاظ لیاقت ترتیب حضرت علی حضرت عثمان سے افضل تھے۔ حضرت عثمان نے جس طرح قرآن مجید کو مرتب کیا ہے۔ اس میں ایڈیٹری کا آرٹ نہیں پایا جاتا۔ اور حضرت علی کی ترتیب میں یہ آرٹ موجود ہے۔ حضرت عثمان نے مکی اور مدنی سورتوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ لیکن حضرت علی نے بہت عمدگی اور سلیقہ کے ساتھ سورتیں مرتب کی ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علی بہت اچھے ایڈیٹر تھے۔ ایڈیٹر انگریزی زبان میں ترتیب دینے والے کو کہتے ہیں۔ مگر میں اب ایسی چیز میں تبدیلی نہیں چاہتا جس پر ساری امت جمع ہو گئی ہے ورنہ حضرت علی کی یہ ترتیب قرآن کی خوش نمائی کو چار چاند لگانے والی ثابت ہوتی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت علی کی خلافت کے زمانہ میں یہ قرآن کیوں مروج نہیں ہوا" (منقول از رسالہ بہائی میگزین اپریل [illegible] و اخبار اہلحدیث [illegible] صفر [illegible])

امام المسلمین حسین شہیدؓ

(از مولوی عبدالسمیع صاحب بیدل رام پوری)

کم قیامت سے نہیں شاہ شہادت تیری
دل پھٹا جاتا ہے سن سن کے مصیبت تیری

آہ اس وقت پر آشوب میں ہم کیوں نہ ہوے
دے کے تجھ دل و جاں کرتے رفاقت تیری

جن کے گھر کے ہوں غلام آہ انھیں قتل کریں
حیف قاتل ہوئی خود نانا کی امت تیری

رحم کچھ سنگدلوں نے نہ کیا پر نہ کیا
بھوک میں پیاس میں کیا کیا ہوئی حالت تیری

گھونٹ بھر پانی سے تازہ نہ ہوئی روح افسوس
بھوک اور پیاس میں کی روح نے رحلت تیری

آہ محبوب خدا دیتے تھے جس پر بوسے
ڈال دی خاک پہ وہ چاند سی صورت تیری

آہ بدبختوں نے گھوڑوں کے سموں سے روندا
ریزہ ریزہ ہوئی ترکیب جسامت تیری

بے تمیزوں نے کیا کچھ نہ ترا پاس و ادب
کرتے جبرئیل ادب سے تھے زیارت تیری

کیا ہوا گر تجھے بدبختوں نے پانی نہ دیا
ہوگی محشر کو تو جاگیر میں جنت تیری

اشقیاء تیری محبت کا مزا کیا جانیں
قلب محبوب خدا میں تھی محبت تیری

بلکہ سدا آل پیمبر کی محبت بیدل
پیش حق ہوگی یہ ایمان پہ حجت تیری

(منقول از اخبار النجم لکھنؤ نمبر ۳۱ جلد ۱۵)

نئی دہلی میں شیعہ مسجد

نئی دہلی میں جہاں مختلف مذاہب کے مندر اور عبادت گاہیں بنائی گئی ہیں مذہب حقہ اثنا عشریہ کی کوئی عبادت گاہ نہیں ہے جو نہایت تکلیف دہ اور افسوسناک ہے۔ انجمن اثنا عشریہ (رجسٹرڈ) دہلی کی کئی سال کی پیہم سعی کے بعد حکومت ہند نے ایک مناسب قطعۂ زمین انجمن کو پیش کیا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی نئی دہلی میں شیعہ مسجد ظہور میں آجائے گی۔

انجمن اثنا عشریہ کی موجودہ تجویز کے بموجب مسجد کے ساتھ امامیہ ہال، شیعہ ہوسٹل لائبریری ریڈنگ روم وغیرہ کی تعمیر کا انتظام بھی شامل ہے۔ ایسی حالت میں مومنین ہند کا ایمانی فرض ہے کہ فروغ دین کی اس یادگار عمارت کی تعمیر میں فراخ دلی سے حصہ لے کر وجود ملی کے احساس کی زندۂ جاوید مثال قائم کر دیں اور نئی دہلی کی مرکزیت کا خیال فرماتے ہوئے شیعہ قوم کے شایاں عمارت تعمیر کرنے کے لئے امداد دے کر عند اللہ و عند الرسول ماجور و مثاب ہوں۔

خادم قوم محمود علی ہاشمی آنریری سکریٹری انجمن اثنا عشریہ نئی دہلی

حسین شہید

بغیر سر فروشی آدمی زندہ نہیں ہوتا
مذاقِ زندگی بے سر دیئے پیدا نہیں ہوتا

شہیدانِ وفا ہیں بے نیاز بندشِ ہستی
کفن ہی انکو کب ملتا ہے جو میلا نہیں ہوتا

نمازیں اہلِ دل کی عرش کی زینت ہوتی ہیں
جبیں ہوتی ہے انکی خاک پر سجدہ نہیں ہوتا

شہادت بہر خدمت اپنے شہپر کھول دیتی ہے
کوئی مظلوم کا جب جب بھی جینے والا نہیں ہوتا

شہادت سختیوں سے موت کی محفوظ ہوتی ہے
کہ عزرائیل کے ہاتھوں سے یہ سودا نہیں ہوتا

شہیدِ عشق ہرگز خاک کا پتلا نہیں ہوتا
گہر قطرے سے ہوتا ہے مگر قطرا نہیں ہوتا

حیات بے حسی اور مرگ خودداری ہیں دو چیزیں
اسے جینا نہیں کہتے ہیں یہ مرنا نہیں ہوتا

ہر اک ٹھوکر رہِ تسلیم کی پیغامِ منزل ہے
یہ وہ رستہ ہے جھگڑا جسمیں منزل کا نہیں ہوتا

فدایانِ وفا نے بھوک میں کھائی ہیں تلواریں
یہاں برداشت عشرت میں بھی اک کانٹا نہیں ہوتا

زمیں کربلا کی مردم آفریں ہے اے ضیا اب بھی
مگر کوئی حسین بن علی پیدا نہیں ہوتا

آہی یا بنی موسیٰ شبِ یلدا نہیں ہوتا — سفینہ ظالموں کا کیوں تہ و بالا نہیں ہوتا
کیا بھوکا پیاسا ظالموں نے قتل مہماں کو — رواں ہر آنکھ سے کیوں خون کا دریا نہیں ہوتا

ہوئیں بربادیاں جس طرح فرزندان کعبہ کی — کسی کا دہر میں بربادیوں کنبا نہیں ہوتا
یہ کیا انصاف ہے مہماں بلا کر قتل کر دینا — جہاں انصاف ہوتا ہے وہاں دھوکا نہیں ہوتا
تن آسانوں سے کہہ دو اپنے کپڑے پھاڑ کر آئیں — یہ انکی بزم ماتم ہے یہاں میلا نہیں ہوتا

یہ غربت اور اک پیاسا مسافر اے معاذاللہ — زمین کربلا ہے حشر کیوں برپا نہیں ہوتا
نہ ہوتے جلوہ فرما گر حسین بن علی تجھ پر — زمین کربلا رتبہ ترا ایسا نہیں ہوتا
نبی زادے کا سر کاٹا ہے تو نے شمر سجدے میں — زمانے میں کہیں بھی تو ستم ایسا نہیں ہوتا
عجب کیا ہے جو یہ ارض و سما مرکز سے ہٹ جائیں — مٹا دینا کسی مظلوم کا اچھا نہیں ہوتا
لٹا گھر بھی کٹا سر بھی علی کے نونہالوں کا — شہادت نا مکمل تھی اگر ایسا نہیں ہوتا

(منقول از النجم لکھنؤ ۳ صفر ۵۶ھ)

مبارکباد (۱) جناب مکرم ملک الرحمان خانصاحب کیانی ایم۔ ال۔ اے شاہ پور کوہاٹ کو خانصاحب اور جناب نواب نثار علی خانصاحب رئیس لاہور کو نواب کا خطاب ملک معظم کی تاجپوشی کی تقریب میں عطا ہوا ہے خدا مبارک کرے۔

ملک برما میں عزاداری آئینہ جاوا پر برما میں بھی امام حسینؑ کی عزاداری شاندار طور سے ہوتی ہے۔ وہاں ایک مدراسی قوم ہے جو مسلمان نہیں مگر حضرتؑ کی عزادار ہے۔ یہ لوگ عاشورا کو تعزیہ رکھتے ہیں اور آگ روشن کر کے یا علیؑ یا حسینؑ یا دولہا کہکر آگ میں آتے جاتے ہیں۔ آگ سے کچھ اذیت نہیں ہوتی۔

وقف محسنیہ کا مقدمہ دائر ہو گیا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شیعہ پبلک کی طرف سے پانچ شیعہ مدعیوں نے ۱۴ اپریل ۳۷ء (۱۳۵۶ھ) کو ہگلی کی عدالت میں عرضی دعویٰ بنام سکریٹری آف اسٹیٹ فور انڈیا سات سو بہتر روپیہ کی کورٹ فیس لگا کر دائر کر دیا ہے جس پر مومنین صوبہ بنگال ہزاروں مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اب دوسرے صوبوں کے مومنین کا فرض اولین ہے کہ اپنی اعانت کی رقمیں بھیجکر جلد اس مقدمہ کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ خدائے تعالے جناب مولوی سید علی صاحب و اعضاء انجمن کو جزائے خیر دے کہ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند کے مصداق ہو کر اس وقف کے زندہ کرنے کے درپے ہو گئے۔

حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۱۴ سال پہلے آپ نے ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ دنیا سے رحلت کے وقت اپنے صاحب زادے حضرت سلیمان کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ مورخین نے بتصریح لکھا ہے:۔ وتوفی قبل ان یستتم بنائہ واوصیٰ الیٰ سلیمان۔ حضرت داؤدؑ نے اپنی عمارت تمام کرنے سے پہلے انتقال کیا اور حضرت سلیمانؑ کو اپنا وصی مقرر کر گئے (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۶۷) مورخ مذکور پھر لکھتا ہے:۔ فلما مات ورث سلیمان ملکہ وعلمہ ونبوتہ۔ جب حضرت داؤدؑ نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ آپ کے ملک۔ علم اور نبوت کے وارث ہوئے (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۶۷) لہ حضرت داؤدؑ کے متعلق حضرات اہلسنت کی کتابوں میں

لہ قرآن مجید میں بھی ہے وورث سلیمان داؤد۔ حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے (پ ۱۹ ع ۱۷) اور معلوم ہے کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہی پیغمبر تھے پس حضرت داؤدؑ نے وارث بنایا اور حضرت سلیمانؑ وارث ہوئے۔ اس آیۃ نے سنی وشیعہ کی اس مشہور نزاع کا فیصلہ کر دیا جو دونوں جماعتوں میں حضرت رسولخدا صلعم کے متعلق شروع سے قائم ہے کہ شیعہ کہتے ہیں حضرت رسولخدا صلعم کی میراث بھی اسی طرح جاری ہونی چاہیے جس طرح اور لوگوں کی ہوتی ہے۔ اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کا کوئی شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے:۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقتہ۔ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کا آیہ مذکورہ صاف کہتا ہے کہ انبیاء وارث ہوتے بھی ہیں اور دوسروں کو وارث چھوڑ بھی جاتے ہیں۔ جیسے حضرت داؤدؑ نے اپنے فرزند کو وارث چھوڑا اور حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے۔ اور اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کوئی بات غلط نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کے خلاف بھی حضرتؐ کی زبان مبارک سے کوئی امر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس سبب سے ماننا پڑیگا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث معلوم ہوتا ہے حضرتؐ نے اس طرح فرمایا تھا نحن معاشر الانبیاء نرث ونورث ہم گروہ انبیاء بھی وارث ہوتے ہیں اور وارث چھوڑ جاتے ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر کو اپنی خلافت کے وقت غلط فہمی

یہ غلط حدیث موجود ہے کہ معاذ اللہ آپ ایک شخص اوریا کی خوبصورت بیوی پر عاشق ہو گئے تھے اور چونکہ اس کو پا نہیں سکتے تھے اس وجہ سے اوریا کو ایک لڑائی پر بھیج دیا کہ یہ قتل ہو جائے تو میں اس کی بیوی سے وصال حاصل کروں۔ چنانچہ وہ قتل ہو گیا تو حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ حضرت داؤدؑ بلکہ کل انبیاءؑ کی شان ایسے شرمناک واقعات سے کہیں بلند و ارفع ہے۔ وہ حضرات دوسروں کے اخلاق درست کرنے۔ ان کے نفس کو پاکیزہ بنانے اور ان کی بہیمیت مٹانے کے لئے دنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی رکیک باتیں نہیں ہو سکتیں۔

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ پیغمبر کے فرزند تھے اور خود بھی پیغمبر ہوئے۔ حضرت داؤدؑ کے ۱۹ صاحب زادے تھے۔ سب میں آپ ہی پیغمبری کے شرف سے سرفراز کئے گئے۔ آپ حضرت عیسےٰؑ سے ۱۰۳۳ سال پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عیسےٰؑ سے ۹۷۵ سال پہلے ۵۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جب ۱۹ سال کے تھے تو حضرت داؤدؑ کے جانشین ہوئے۔ مشرق سے مغرب تک کل جن و انس۔ وحوش و طیور۔ پانی و ہوا اور باقی مخلوقات آپ کی تابع رہیں۔ آپ نے ۴۰ سال تک نبوت اور بادشاہت کی۔ اپنی حکومت کے چوتھے سال سے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جو آپ کی آخر عمر تک جاری رہی۔ اس کو ۴۵۴ سال کے بعد بخت نصر بادشاہ بابل نے منہدم کر دیا۔ پھر بنایا گیا اور برباد ہوا۔ غرض کئی دفعہ تعمیر اور خراب ہوا۔ حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:۔ یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات۔ حضرت سلیمانؑ کے لئے جنات ہر وہ چیز بنا دیتے جو وہ چاہتے۔ جیسے محرابیں اور مورتیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۳) ہوئی اور اونھوں نے سمجھا کہ حضرتؐ نے اس کو اس طرح فرمایا ہی لا نورث اور اسی پر اونھوں نے یقین کر لیا۔ حالانکہ اگر آنحضرت صلعم ایسا فرماتے تو سب سے پہلے اس کا ذکر جناب سیدہ سے کرتے کہ بیٹی تم یاد رکھنا انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ان کا کل ترکہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ تم بھی میرے متروکہ کی امید نہ رکھنا۔ پھر حضرت عائشہ سے فرماتے حضرت حفصہ سے بیان کرتے دوسری ازواج کو اس سے مطلع کرتے کہ آنحضرتؐ کی میراث کا دعوےٰ یہی لوگ کر سکتی تھیں۔ لیکن آنحضرتؐ سے اس کلام کو نہ جناب سیدہؑ نے سنا۔ نہ کسی بیوی نے نہ کسی اور صحابی نے صرف حضرت ابوبکر اس کے مدعی ہوئے۔ اور کسی نے بھی ان کی تصدیق نہ کی ۱۲

اور ایسے بڑے لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (دیباعہ ۸) ۵ حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں۔ سونا۔ چاندی اور قیمتی اسباب۔ ہاتھی۔ مور وغیرہ لانے کی غرض سے ہمیشہ بحر ہند میں سفر کرتی رہتی تھیں۔ اور مصر سے اچھی نسل کے گھوڑے منگواتے تھے۔ حضرتؑ نے ہُدہُد کو شہر سبا کی ملکہ بلقیس کے پاس بطور قاصد بھیجا تھا تو اس نے کچھ تحفے آپ کے پاس بھیجے مگر آپ نے ان تحفوں کو واپس کر کے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیجا۔ وہ گیا اور چشم زدن میں بلقیس کا تخت حضرت سلیمانؑ کے پاس پہونچ گیا۔ بلقیس آپ کی اطاعت قبول کر کے آپ کے مذہب میں داخل ہو گئیں۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہاروت و ماروت فرشتے بابل میں آئے تھے جو خدا کے حکم سے لوگوں کو آزمانے کے لئے جادو سکھاتے تھے۔

۵ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ کے لئے مورتیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات فرشتوں۔ نبیوں۔ اور نیکو کاروں کی تصویریں مسجدوں میں بناتے تھے تا کہ لوگ ان کو دیکھیں اور اس سے زیادہ عبادت خدا کرنے لگیں (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صـ۱۲۳ و معالم التنزیل صـ۴۳۷ و کشاف جلد ۲ صـ۴۴۵ در منثور جلد ۵ صـ۲۲۸ وغیرہ) اب قابل غور امر ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے حکم سے نبیوں اور نیکو کاروں کی تصویریں اس غرض سے بنائی جاتی تھیں کہ ان کو دیکھ کر اُس زمانہ کے لوگ زیادہ عبادت کریں تو اس زمانہ میں حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی تصویر (تعزیہ) بنانے پر اعتراض کرنا بے جا ہے کیونکہ اس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر خدا کے پیارے بندے امام حسینؑ کا تذکرہ ہو۔ واقعہ شہادت کے اسباب پیش نظر ہو جائیں اور اس سے گریہ زیادہ ہو۔ اور چونکہ حضرت رسولخدا صلعم بھی حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی خبر قبل از وقت سُن کر بار بار روئے تھے اور بروا قعہ شہادت کے بعد بھی حضرت ام سلمہ و ابن عباس وغیرہ نے خواب میں حضرتؐ کو روتے ہوئے دیکھا تھا اس سبب سے آنحضرت صلعم کی تاسی میں حضرت امام حسینؑ پر رونا بھی عبادت ہے۔ ان وجوہ سے ماننا پڑتا ہے کہ تعزیہ بنانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تا کہ اس کو دیکھ کر امام حسینؑ پر زیادہ رونا آئے اور خدا کی یہ عبادت اچھی طرح انجام پا سکے۔ اسی وجہ سے خود خداوند عالم نے واقعہ کربلا کے بہت پہلے اس زمین کی تھوڑی سی مٹی کو سرخ کر کے گویا قتل گاہ کی شبیہ بنا کر حضرت رسولخدا صلعم کے پاس بھیجا تھا جس کو دیکھ کر حضرت بہت روئے تھے (دیکھو مشکوٰۃ جلد ۲ صـ۱۴۰)

حضرت عزیرا

حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے۔ ایک دفعہ قریۂ ایلیا پر گزر ہوا تو دیکھا کہ بہت لوگ طاعون کے خوف سے بھاگے تھے مرے پڑے ہیں۔ ان کو دیکھکر آپ نے تعجب سے کہا خدا ان کو کیسے جلائیگا؟ اس کے بعد وہیں سوگئے تو خدا نے انکی روح بھی قبض کرالی۔ اُس وقت آپ ۴۰ سال کے تھے۔ خدا نے پھر سو برس کے بعد آپکو زندہ کر دیا جس کے بعد آپ کئی سال اور زندہ رہے اُس کے بعد انتقال کر گئے۔ یہودی آپ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

حضرت دانیالؑ

حضرت یعقوب کی نسل سے تھے۔ عقل و فہم میں آپ بھی مشہور ہیں۔ بخت نصر بادشاہ بابل نے آپ کو قید کر کے کنوئیں میں ایک شیرنی کے ساتھ بند کر دیا تھا خدا کی قدرت سے اس شیرنی نے آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہونچائی بلکہ اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا۔ پھر آپ کے حسن تدبیر اور قوت رائے کو دیکھکر بخت نصر نے آپکو اپنا وزیر بنالیا۔ علم رَمل آپکی ایجاد ہے

حضرت یونس بن متّےٰ

بنو اسرائیل کے انبیاء سے ہیں مگر آپ کے لئے کوئی خاص کتاب یا شریعت نہیں ہوئی بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے۔ اہل نینوٰ کی سرزمین موصل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ ایک کشتی پر سوار جاتے تھے تو دریائے دجلہ میں گر گئے اور ایک بڑی مچھلی آپ کو نگل گئی۔ ۳ یا ۷ یا ۴۰ روز آپ اس مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی سبب سے آپ کو ذوالنون اور صاحب الحوت بھی کہتے ہیں۔ پھر خدا کے حکم سے اس کے پیٹ سے باہر آئے۔ ۱۲۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت زکریاؑ

حضرت سلیمانؑ بن داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ بڑھاپے میں جب اولاد ہونے سے آپ ناامید ہو چکے تھے خدا سے دعا کی اور خدا نے آپکو حضرت یحییٰؑ ایسا فرزند مرحمت فرمایا۔ آپ کی بیوی الیساع حضرت مریم (مادر حضرت عیسےٰؑ) کی خالہ تھیں۔ اور آپ حضرت مریمؑ کے خالو تھے۔ اسی وجہ سے حضرت زکریاؑ نے حضرت مریم کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی۔ چونکہ سوائے حضرت زکریا کے کوئی دوسرا مرد حضرت مریم کے پاس جاتا نہیں تھا اور حضرت مریم کو حکم خدا سے حضرت عیسےٰ کا حمل رہ گیا۔ اس وجہ سے جاہلوں نے کہا کہ معاذ اللہ حضرت زکریاؑ سے ان کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اور حضرت زکریاؑ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ اُن کے خوف سے بھاگے۔ سامنے ایک درخت تھا وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہو گیا اور آپ اوس کے اندر چلے گئے۔ قضائے کار آپ کے دامن کا کونا باہر نکلا رہا۔ اس پر

آپ کے مخالفین سمجھ گئے کہ اسی میں چھپے ہیں اور اس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرہ سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ آپ کی عمر اس وقت سو سال کی تھی اور حضرت عیسٰیؑ پیدا ہو چکے تھے۔

حضرت یحییٰ بن زکریا حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عیسٰیؑ سے چھ مہینہ پہلے پیدا ہوئے اور جب سات سال کے ہوئے تو خدا نے آپ کو پیغمبر بنا دیا۔ آپ اس کم سنی میں لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلاتے۔ اور موٹے بالوں کا کپڑا پہنتے۔ زہد اور عبادت میں مشہور ہو گئے تھے۔ یہاں تک عبادت کی کہ دبلے ہو گئے۔ حضرت عیسٰیؑ بن مریم نے فتوےٰ دیدیا تھا کہ بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اُس وقت بنو اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس تھا۔ وہ اپنی بھتیجی (یا بھانجی یا اپنی بیوی کی اس لڑکی پر جو اُسکے پہلے شوہر سے تھی) عاشق ہو گیا۔ وہ لڑکی بھی بادشاہ پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں نے شادی کرنی چاہی۔ مگر حضرت یحییٰؑ نے اسکو منع کیا اور فرمایا کہ یہ فعل حرام اور خلاف حکم خدا ہے۔ بات بڑھی آخر اس لڑکی اور اسکی ماں کے اُبھارنے سے بادشاہ نے حضرت یحییٰؑ کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسٰیؑ کے آسمان پر اوٹھائے جانے سے کچھ ہی قبل کا ہے۔ اس قتل کے عوض سلہ خدا نے یہ سامان کر دیا کہ طیطوس (قیصر روم) نے ملک شام پر چڑھائی کر کے بیت المقدس کو برباد کر دیا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا۔

سلہ خدا نے حضرت یحییٰؑ کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کرایا۔ امام حاکم وغیرہ بڑے محدثین اہلسنت نے لکھا ہے:- عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی محمدؐ انی قتلت بیحیی بن زکریا سبعین الفا۔ وانی قاتل با بن بنتک سبعین الفا وسبعین الفا۔ حضرت رسولخدا صلعم کے مشہور صحابی اور چچازاد بھائی جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ خدا نے حضرت رسولخدا پر وحی نازل کی کہ میں نے یحییٰ بن زکریا کے عوض ستر ہزار شخصوں کو قتل کرایا ہے اور اب تمہارے فرزند حسینؑ کے عوض اس کا دوگنا ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کراؤں گا (مستدرک امام حاکم جلد ۲ صنہ ۲۹۰ وکنز العمال جلد ۶ صہ ۲۲۳ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے ہاں حضرت یحییٰؑ کی شہادت سے زیادہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا درجہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت

حضرت عیسیٰ

حضرت مریم کے صاحب زادے تھے جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو روح اللہ کہتے ہیں۔ دنیا میں حضرت آدمؑ کے تشریف لانے سے ۴۰۰۴ سال بعد پیدا ہوئے۔ اوپر ذکر کیا گیا کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے خالو تھے اس طرح کہ ایساع اور حنہ دو بہنیں تھیں۔ ایساع کی شادی حضرت زکریاؑ سے ہوئی اور حنہ عمران سے بیاہی گئیں۔ ایساع کے بیٹے حضرت یحییٰؑ ہوئے اور حنہ کی بیٹی جناب مریم ہوئیں۔ حنہ کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو نذر کی کہ ان کے کوئی اولاد ہوگی تو اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے مخصوص کر دینگی۔ اس پر حنہ کو حمل رہ گیا اور حالت حمل ہی میں اُن کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جناب حنہ کے بطن سے جناب مریم پیدا ہوئیں جس کا معنے عابدہ (بڑی عبادت کرنے والی) ہے حنہ اس لڑکی کو لے کر بیت المقدس میں آئیں اور کہا میں نے لڑکے کی نذر کی تھی مگر ہوئی یہ لڑکی۔ چونکہ آپ کے والد پہلے مر چکے تھے اس وجہ سے آپکی پرورش کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کون کرے۔ حضرت زکریا نے کہا مجھ پر اس کا زیادہ حق ہے کیونکہ اس کی خالہ (ایساع) میری بیوی ہے چنانچہ جناب زکریا نے حضرت مریم کو اپنی کفالت میں رکھکر پرورش شروع کر دی۔ جب جناب مریم بڑی ہوئیں تو حضرت زکریا نے ان کے لئے ایک خاص کمرہ عبادت کی غرض سے خالی کر دیا۔ خدا فرماتا ہے جب زکریا مریم کے دیکھنے کو ان کے پاس جاتے تو جناب مریم کے پاس میوہ جات کی قسم سے کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز ضرور موجود پاتے۔ اس پر ان سے پوچھا یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں۔ کہا خدا کے ہاں سے۔ کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ کچھ دنوں بعد خدا نے جناب جبرئیل کو حضرت مریم کے پاس بھیجا۔ اونھوں نے نفخ روح کیا جس سے حضرت مریم کو حمل رہ گیا اور مدت حمل پوری ہونے کے بعد بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں بیت لحم میں جناب عیسےٰ پیدا ہوئے۔ جب حضرت مریم اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم پاس آئیں تو لوگوں نے کہا اے مریم یہ تو تم نے بہت ہی نالائق حرکت کی ہے۔ پھر ان کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷) یحییٰؑ بے قصور اور معصوم تھے حضرت امام حسینؑ بھی بالکل اسی طرح بے خطا اور معصوم تھے۔ اب جو لوگ حضرتؑ پر کسی طرح کا اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا پر حملہ آور ہوتے اور رادس کی غلطی کے قائل ہیں ۱۲

سنگسار کرنا چاہا تو حضرت عیسےٰؑ گہوارے سے بول اٹھے میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی اور مبارک بنایا ہے۔ اس پر لوگوں نے حضرت مریم کو چھوڑ دیا حضرت عیسےٰ نے ۳۰ سال کی عمر میں لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا اور بڑے بڑے معجزات دکھانے لگے۔ مردہ کو جلاتے۔ اندھے۔ مبروص اور ہر قسم کے بیمار اچھے کرتے۔ کھانے پینے اور غیب کی خبر دیتے۔ مٹی کا پتلا بنا کر اڑاتے۔ پتھر اور ڈھیلوں کو جواہر آبدار کر دکھاتے۔ اور پانی پر چلتے تھے۔ زہد میں بھی بڑے درجہ پر فائز تھے۔ موٹے بالوں کا لباس پہنتے اور ساگ پات وغیرہ کھاتے۔ آپ پر کتاب انجیل نازل ہوئی۔ یہودی آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو پکڑ کر سولی دینی چاہی۔ مگر جب لوگ پکڑنے آئے تو حضرت عیسےٰؑ کو خدا نے چھت کے ایک سوراخ سے آسمان پر اوٹھا لیا۔ اور یہودا کی صورت حضرت عیسےٰؑ کے مشابہ ہوگئی۔ یہودیوں نے انھیں یہودا کو حضرت عیسےٰؑ کے خیال میں سولی دے دی۔ اسی وجہ سے عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ مصلوب ہوگئے۔ آپ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد حضرت مریم ۶ سال زندہ رہیں۔ اور ۵۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ ۱۳ سال کی تھیں تب حضرت عیسےٰؑ پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عیسےٰؑ کے ۱۲ حواری (خاص دوست۔ رفیق۔ ہمدرد۔ مددگار) مشہور ہیں جو یہ ہیں:۔ (۱) شمعون الصفا (۲) اندراوس (۳) یعقوب بن زندی (۴) شمعون القانی (۵) یعقوب بن حلفی (۶) پولوس (۷) یوحنا (۸) برتولوماوس (۹) لوقا (۱۰) متے (۱۱) مارقوس (۱۲) یہودا۔ جب خدا نے حضرت عیسےٰؑ کو آسمان پر اوٹھا لیا تو جناب مریم آپ پر بہت روتی تھیں (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۳۶) [1] حضرت عیسےٰؑ کا آسمان پر زندہ اوٹھایا جانا مسلمانوں کا اجماعی اعتقاد

[1] جس سے ثابت ہوا کہ کسی عزیز کی مصیبت پر رونا انسان کا فعل ممدوح ہے اور یہ صبر کے خلاف بھی نہیں ہے۔ اگر یہ کسی طرح باعث اعتراض ہوتا تو حضرت مریم ایسی صدیقہ ایسا نہ کرتیں۔ جب حضرت مریم کے رونے کو خدا نے دیکھا تو ان کو اس سے منع نہیں کیا بلکہ حضرت عیسےٰؑ کو دوبارہ آسمان سے حضرت مریم کے پاس نازل کیا۔ آپ نے وہاں پہونچکر بادر گرامی سے فرمایا ان اللہ رفعنی ولم یصبنی الا الخیر۔ خدا نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا ہے اور مجھے خیر ہی خیر حاصل ہوا۔ اسکے بعد پھر حضرت عیسےٰؑ آسمان پر چلے گئے۔ اب اس زمانہ میں جو لوگ حضرت امام حسینؑ پر رونے سے

ہے ؎۱ وہ گاؤں جہاں حضرت عیسٰی نے پرورش پائی تھی۔ اس کا نام ناصرہ تھا اس وجہ سے عیسٰی کے پیروان کو نصارے بھی کہتے ہیں یا ان کو نصارے اس وجہ سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی شام کے ایک گاؤں سے نکلے جس کا نام نصوریہ یا ناصرہ تھا۔ حضرت مریم مصر سے لوٹ کر وہاں آکر ٹھہری تھیں بعضوں نے کہا ہے کہ ان کا نام نصارے اس وجہ سے ہوا کہ انھوں نے حضرت عیسٰی کی مدد کی تھی ؎۲ حضرت عیسٰی جس سال زمین سے آسمان پر اُٹھائے گئے (اور بقول عیسائی حضرات کے سولی دیئے گئے) اسی سال سے عیسائی سال مقرر کیا گیا جو اس وقت دنیا کے اکثر حصوں میں معمول بہ ہے۔

یہودی حضرت عیسٰی کے ویسے ہی مخالف ہیں جیسے غیر مسلم حضرت رسولخدا صلعم یا مسلمانوں کے البتہ عیسائی اور مسلمان دونوں آپ کو مانتے اور آپکی عزت کرتے ہیں۔ مگر آپ کے متعلق دونوں مذہب والوں کے اعتقاد میں فرق ہے۔ عیسائی آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ خدا تین ہے ایک میں اور ایک ہوتین میں۔ اس طرح خدا۔ حضرت مریم اور حضرت عیسٰی تینوں کا مجموعہ ایک ہے اور ایک کے اجزا یہ تین ہیں۔ اور وہ حضرت عیسٰی کے فرزند خدا ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ ان لوگوں کی یہ باتیں ایسی مبہم ہیں کہ نہ دوسروں کی سمجھ میں آتی ہیں نہ وہی لوگ دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے مسلمان حضرت عیسٰی کو آدمی خدا کا بندہ اور اس کا رسول مانتے ہیں۔ اور ان کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے کہتے ہیں کہ خدا جسم ہے نہ جسمانی۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا وہ کسی کا باپ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ جس طرح تمام عالم۔ کل آسمانوں۔ زمین اور ہر قسم کے جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح حضرت عیسٰی کو بھی پیدا کیا۔ اور وہ اس پر قادر ہے کہ جس شخص کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر دے جیسے حضرت عیسٰی کو پیدا کیا اور جس کو چاہے بغیر ماں باپ کے پیدا کر دے جیسے حضرت آدم کو خلق فرمایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹) منع کرتے اور ہر وقت اس کو روکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں ان کا فعل کہاں تک مناسب سمجھا جا سکتا ہے ۱۲ ؎۱ اگرچہ اب مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوے کیا ہے کہ خدا نے آپ کو وفات دی اور خود آپ ہی مسیح موعود بتاتے ہیں۔ مگر ان کی کوئی دلیل صحیح نہیں ملی ۱۲ ؎۲ انوار اللغتہ پ ۲۵ صفحہ ۴۲ ۱۲

حضرت عیسیٰؑ نے دنیا سے اوٹھنے کے قبل اپنا خلیفہ خود ہی مقرر کر دیا تھا۔ موزخین نے لکھا ہے از جملہ وصایا ے عیسیٰ یکے آں بود کہ خدا ے تعالیٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم وحواریان خلافت وے قبول کردند۔ حضرت عیسیٰؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ فرمایا خدائے تعالےٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور آپ کے حواریوں نے انکی خلافت قبول بھی کرلی (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

ضروری تنبیہیں

مشہور انبیاء کے ضروری مگر مختصر حالات اوپر درج کئے گئے۔ ان کے متعلق چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(۱) مذکورہ بالا حالات زیادہ تر تاریخ طبری۔ تاریخ کامل۔ تاریخ ابو الفدا سے لئے گئے ہیں۔

(۲) انکے زمانہ ولادت و عصر وجود کی قابل اطمینان تحقیق اس زمانہ میں بہت دشوار ہے کیونکہ ان لوگوں کے زمانوں کی کوئی لکھی ہوئی تاریخ تو کہیں موجود نہیں ہے۔ البتہ مختلف ذرائع و قرائن سے مورخین نے انکے زمانہ کی تحدید کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس میں ان کو کہاں تک کامیابی ہوئی اس کا علم صرف خدا کو ہے۔ حضرت رسولخدا صلعم سے ان حضرات کے زمانہ اور عہد کے متعلق جو روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور ان کے راویوں پر بھی بالکل اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس سبب سے جو حالات اوپر لکھے گئے اگر ان میں کسی جگہ کوئی شبہ یا اعتراض یا تناقض ہو تو اس کو نظر انداز کرنا چاہیئے جب خود حضرت رسولخدا صلعم کی ولادت اور وفات کی تاریخ آج تک مسلمانوں میں طے نہیں ہو سکی تو حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیم وغیرہ کی صحیح تاریخ کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں ان انبیاء کرام کے حالات موجود ہیں مگر کسی بزرگ کی ولادت یا وفات کی تاریخ یا ان کے عصر کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ اس سبب سے ہم لوگوں کو بھی اسکی تحقیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی قول کو یقینی سمجھنے کی حاجت۔ بس جس طرح قرآن مجید میں ان کے مکارم اخلاق۔ صفات حسنہ۔ جیوۃ زکیہ۔ خدمات جلیلہ اور اغراض خلقت و بعثت مذکور ہیں۔ اسی کا لحاظ ہم لوگوں کو بھی کرنا اور ان حضرات کے حالات کو بھی اصول سے دیکھنا مناسب ہے۔ خواہ وہ آج سے چار ہزار سال پہلے ہوئے ہوں یا دس ہزار سال قبل۔ انبیاء کرام کے حالات تو انھیں راویوں اور مورخوں کے لکھے ہوئے ہیں جو زمانہ کے متعلق بھی عجیب و غریب روایتیں ذکر کرتے رہے ہیں کہ آج وہ روایتیں بچے بچے تک کی نظر میں باعث مضحکہ اور قہر ہم

قوموں کے خیال میں حسب ذیل نفرت انگیز ہو رہی ہیں [1]
(۳) تاریخ اور زمانہ کے علاوہ جو حالات ہیں وہ تقریباً صحیح ہیں کیونکہ وہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں

[1] علامہ طبری نے لکھا ہے: القول فی کم قدر جمیع الزمان من ابتدائہ الی انتہائہ وحادلہ الی اخرہ۔ اس امر کی تحقیق کہ زمانہ کا مجموعہ ابتداء سے انتہاء اور اول سے آخر تک کس قدر اندازہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کی اصل عبارت نقل کرنے میں طول ہوگا۔ صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار برس ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے۔ جس کی مقدار صرف سات ہزار برس ہے اس سے چھ ہزار اور کئی سو برس گزر چکے ہیں اور اب کئی سو برس اور باقی رہ گئے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ کا مجموعہ چھ ہزار برس ہے۔ اس کے بعد علامہ طبری اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں صحیح قول از روئے احادیث رسول خدا صلعم کے حضرت ابن عباس کا قول ہے جو انھوں نے کہا کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے جس کی مقدار سات ہزار برس ہوئی۔ پس معلوم ہو گیا کہ نبیؐ کے اس ارشاد کے وقت تک چھ ہزار پانچ سو برس یا اس کے قریب گزر چکے تھے اور اب صرف پانچ سو برس باقی ہیں (تاریخ طبری جلد ا ص۵ تا ۹) مگر ان دونوں روایتوں نیز علامہ طبری کی تحقیق کا غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہے اور ہر شخص اس کا بالبداہتہ یقین رکھتا ہے۔ اُس وقت دنیا کی باقی مدت صرف پانچ سو سال مانی گئی اور اس پر یقین بھی کر لیا گیا کیونکہ ان روایتوں کے راوی جلیل القدر صحابہ کرام تھے مگر اب تک تیرہ سو سال سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی اور دنیا ختم نہیں ہوئی۔ انھیں راویوں سے خدا کی رہنے کی جگہ بھی مذکور ہے جو نہایت درجہ قابل مضحکہ ہے۔ عن ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ۔ قال کان فی عماء تحتہ ھواء وما فوقہ ھواء ثم خلق عرشہ علی الماء۔ ابو رزین بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم سے پوچھا اے حضرت یہ تو فرمائیے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کہاں رہتا تھا؟ تو حضرتؐ نے فرمایا ایک سیاہ ابر میں جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی۔ پھر خدا نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا (تاریخ طبری جلد ا ص۱۹) یہ روایت بھی ہے ان السماوات والارض والبحار لفی الھیکل وان الھیکل لفی الکرسی وان قدمیہ

اور صحیح روایات سے بھی ان کی تحقیق ہو گئی ہے۔ مثلاً حضرت آدمؑ کے ایک فرزند کا دوسرے کو قتل کرنا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان آنا۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے ایک فرزند کے ذبح کا ارادہ کرنا۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ وغیرہ۔

(۴) حالات مذکورہ سے یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ہر نبی اپنے انتقال کے قبل اپنا وصی اور خلیفہ خود مقرر کر جاتے تھے اور کسی نبی نے اپنے خلیفہ کے تقرر کو اپنی امت پر نہیں چھوڑا۔ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسےٰؑ تک ایک نبی کے متعلق بھی نہیں معلوم ہوتا کہ وہ بغیر اپنا خلیفہ خود مقرر کئے ہوئے دنیا سے اوٹھے ہوں۔ پھر حضرت رسولخدا صلعم بغیر ایسا کئے ہوئے کیونکر انتقال فرما سکتے تھے اور اس ضروری کام کو امت پر کیوں چھوڑ جاتے۔

(۵) حالات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء و مرسلین دنیا میں صرف لوگوں کی ہدایت کرنے ان کو سیدھے راستے پر چلانے اور اچھے اخلاق بتانے کے لئے بھیجے جاتے تھے۔ دنیا میں بادشاہت کرنے۔ حکومت قائم کرنے۔ سلطنت پیدا کرنے۔ لشکر کشی۔ جنگ و جدال۔ خوں ریزی ملکوں کے فتح کرنے۔ لوگوں کو تلوار کے زور سے اپنا کلمہ پڑھوانے اور انھیں زبردستی کسی دین کا پابند کرنے کے لئے نہیں بھیجے جاتے تھے۔ وہ خدا کے فقیر مگر اطاعۃ گزار اور فرماں بردار بندے ہوتے تھے۔ ان کا شغل صرف لوگوں کو آخرت کا طلب گار بنانا ان سے دنیا میں امن و صلح کی زندگی بسر کرانا اور انھیں تمدن و معاشرت کا بہترین سبق پڑھانا رہتا تھا۔ ان کے خلفاء و اوصیاء بھی انھیں کی پیروی کرتے رہے۔ اور جو کچھ وہ دنیا میں کر جاتے تھے اسی کو قائم اور محفوظ رکھنے میں ہمیشہ مشغول رہا کئے۔ پس حضرت رسولخدا صلعم کے بعد بھی جو لوگ حضرت رسولخدا صلعم کی طرح مسلمانوں کو احکام خدا و رسولؐ تعلیم کرتے رہے وہی حضرتؐ کے حقیقی خلیفہ اور سچے جانشین ہو سکتے ہیں نہ وہ لوگ جو ملک فتح اور بادشاہت قائم کرتے رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) عز وجل لعلی الکرسی وھو یحل الکرسی وعاد الکرسی کالنعل فی قدمیہ آسمان اور زمین اور سب دنیا ہیکل میں ہیں اور ہیکل کرسی میں ہے اور خدا کے دونوں قدم کرسی پر ہیں اور وہ کرسی کو اٹھائے ہوئے ہے اور کرسی کی حالت ایسی ہو گئی جیسی خدا کے دونوں قدموں میں جوتی (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۱ وغیرہ)

دوسرا مقدمہ

حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے مختصر حالات

حضرت اسمعیلؑ نبی کے حال میں لکھا گیا ہے کہ آپ کو آپ کی والدہ کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ مکہ معظمہ میں رکھ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔ تقریباً دو ہزار سات سو ترانوے ۲۷۹۳ سال قبل ہجرت نبوی حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اور چونکہ مکہ میں پانی کو دیکھکر قبیلہ جرہم بھی وہاں آباد ہوگیا تھا آپ نے اسی خاندان میں شادی کرلی۔ اس جرہمیہ خاتون کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ فرزند پیدا ہوئے پھر آپکی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی اور دوسری خدمات آپ کے وہی فرزند انجام دینے لگے۔ غرض حضرت اسمعیلؑ کی اولاد مکہ میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ انھیں میں سے ایک شخص فہر ہوا جو تیسری صدی عیسوی میں گزرا ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہی فہر قریش تھا اور اسی کی اولاد قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہوئی۔ حضرت رسولخدا صلعم اسی فہر کی نسل سے ہوئے۔

قصیٰ اسی فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ قصی گزرے ہیں جو بہت نامور ہوئے۔ بعض لوگوں کی تحقیق ہے کہ قریش فہر کا نہیں بلکہ انھیں قصی کا نام تھا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول اول ہی کو ملا۔ چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کرکے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لئے ان کو قریش کہتے ہیں" (سیرۃ النبی جلد اص ۱۱۹) اور علامہ طبری نے لکھا ہے ان عبد الملک بن مروان سأل محمد بن جبیر متی سمیت قریش قریشا۔ قال حین اجتمعت الی الحرم من تفرقہا فذلک التجمع التقرش۔ فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال لہ القرشی ولم تسم قریش قبلہ۔ خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک شخص محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا؟ اس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم (مکہ معظمہ) میں اکٹھے ہوگئے۔ کیونکہ تقرش کا

معنے جمع ہونا ہے۔ اس جواب پر خلیفہ عبدالملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سُنا
بلکہ یہ سُنتا آتا ہوں کہ قصی کو قریشی کہتے تھے اور اُن کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں
(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

آپ کا اصلی نام زید اور کنیت ابوالمغیرہ تھی۔ آپ ایک جوان مرد۔ بلند حوصلہ اور عظیم الشان
بزرگ تھے۔ حجاز کی ترقی زیادہ تر آپ ہی سے ہوئی۔ لوگوں کو ایک مرکز پر لاکر اُن میں قومیت
پیدا کرنے کے لئے آپ نے دعوے کیا کہ حکومت مکہ اور خدمت کعبہ ہمارا فرض اور حق ہے۔ پھر
آپ نے کل قریش کو جو پہاڑوں پر اور گھاٹیوں میں پھیلے ہوئے تھے میدان مکہ میں جس کو بطحائے
کہتے ہیں لاکر جمع کیا۔ ان کے زمانہ تک مکہ معظمہ شرف ایک گاؤں تھا وہ بھی بکھری ہوئی حالت اور
منتشر صورت میں اس طرح کہ اس میں دور دور مقام پر جھونپڑیاں اور خیمے پڑے ہوئے
تھے۔ قصی نے ان سب کو ترتیب کے ساتھ بسایا۔ غرض "قصی بن کلاب نے نہایت عزت و
اقتدار حاصل کیا۔ اس زمانہ میں حرم (خانہ کعبہ) کے متولی حُلیل خزاعی تھے۔ قصی نے حُلیل
کی صاحب زادی سے جن کا نام حبی تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حُلیل نے مرتے وقت وصیت
کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے۔ اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا قصی
نے ایک دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی طیاری
کرتے تو اسی عمارت میں کرتے۔ قافلے باہر جاتے تو یہیں سے طیار ہوکر جاتے۔ نکاح اور
دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً سقایہ اور رفادہ
جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا انھیں نے قائم کیا (سقایہ یعنی حاجیوں کو آب زمزم
پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا) تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ
سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں۔ ان کی میزبانی قریش کا فرض
ہے۔ چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منا اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم
کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ
حجاج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی ان ہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے
تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۱) آپ کا نام قریش کیوں ہوا

اس کی وجہ یہ لکھی ہے "قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنے جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لئے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لئے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۱۹)

قصی نے کعبہ کو بھی دوبارہ تعمیر کیا۔ اونھوں نے جو دار الندوہ بنوایا وہ ایک بڑا کمرہ تھا جو امور عامہ کی انجام دہی کے لئے لوگوں کی پنچایت اور رفع اصلاحات و راے و مشورہ کے کام آتا تھا۔ آپ نے مکہ کے مختلف قبائل کو کعبہ کے اردگرد پتھر کے مکان بنانے اور ان میں رہنے کے لئے بھی آمادہ کیا۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قصی کے حالات کا خلاصہ عربی تاریخوں سے اس طرح لکھا ہے "قصی ابتدا ہی سے نیک چلن اور بامروت اور سخی اور دلیر تھا۔ اور شروع ہی سے اس کی طینت میں ہمدردی اور حمیت قومی کا خمیر کردیا گیا تھا۔ اس کے خیالات پاک اور بے لوث تھے اور اخلاق بالکل شایستہ اور مہذب۔ اسی وجہ سے حُلیل خزاعی نے جو بنو خزاعہ کا ایک نہایت دانشمند اور ممتاز سردار تھا اور خدا کے مقدس گھر کی تولیت جو ابھی تک بنو خزاعہ میں وراثتہً چلی آتی تھی اس کے ہاتھ میں تھی اپنی بیٹی حبّی کو قصیّ کے نکاح میں دے دیا تھا۔ حُلیل کی موت کا زمانہ قریب ہوا تو اُس نے اپنی بیٹی قصی کی بی بی کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وصیت کی لیکن اُس نے اپنے باپ سے صاف لفظوں میں کہ دیا کہ میں خدا کے مقدس معبد کی خدمت کے قابل نہیں ہوں اور خانہ کعبہ کے دروازے کے کھولنے اور بند کرنے کی طاقت نہیں رکھتی پس یہ خدمت کسی قوی اور ہوشیار مرد کے سپرد کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حُلیل نے خانہ خدا کی تولیۃ کی باگ ابو غبشان خزاعی کے ہاتھ میں دے دی جو اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا۔ مگر پھر چند ہی روز کے بعد قصی نے شراب کی کئی مشکیں اور کچھ اونٹ اور کچھ کپڑے ابو غبشان کو دے کر خانہ کعبہ کی تولیۃ اور مکہ کی حکومت خرید لی۔ قبیلہ خزاعہ کو خبر ہوئی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ قصی کے مقابلہ کو کھڑا ہوگیا۔ قصی نے بھی نہایت چستی کے ساتھ قریش اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کے لئے جمع کیا اور وہ جوشِ قومی سے فوراً مسلح ہوکر اُسکی کمک کو آموجود ہوئے۔ دونوں فریق عین حج میں اور خاص ایام تشریق میں معرکہ آرا ہوئے۔ کئی روز تک برابر خونریزی رہی اور بنو خزاعہ کے

بہت لوگ مارے گئے۔ آخر کار صلح کی تحریک ہوئی اور فریقین اس بات پر راضی ہو گئے کہ عرب
کے ایک ہوشیار اور منصف مزاج صائب الرائے سردار کو پنچ مقرر کیا جائے اور پھر جو کچھ بھی
وہ فیصلہ دے فریقین اُس کے فیصلہ کے آگے بے چون و چرا گردن تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ یعمر بن
عوف جو عرب کا مشہور کاہن تھا فیصلے کے لئے منتخب ہوا۔ دونوں فریق کے سردار یعمر کے پاس
گئے تو اس نے کہا تم سب لوگ کل صبح کو صحن کعبہ میں جمع رہنا میں وہاں آکر تم میں انصاف
سے فیصلہ کر دوں گا۔ دوسرے روز فریقین صحن کعبہ میں جمع ہو گئے۔ یعمر نے ایک اونچی جگہ پر
کھڑے ہو کر بہ آواز بلند کہا کہ لوگو! سنو اور غور سے سنو کہ جو فیصلہ میں تم لوگوں کو سناتا ہوں
میرے نزدیک نہایت منصفانہ اور بے لاگ فیصلہ ہے۔ میں ربّ کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں
کہ تمہارے مقدمہ میں میں نے ایسا صاف اور سیدھا فیصلہ تجویز کیا ہے جس میں ذرہ بھر ایک کا
حق دوسرے پر چھوڑا نہیں گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قصی مکہ کی تولیۃ کا استحقاق رکھتا ہے
اور خانہ کعبہ کی حفاظت کا تعلق اُسی کو شایاں ہے اور وہی اس کو نباہ بھی سکتا ہے۔
یعمر کی یہ گفتگو سُن کر بنو خزاعہ گردنیں نیچی کئے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور قصی کے برخلاف کوشش
کرنے کی پھر کبھی اونھوں نے جرأت ہی نہیں کی۔ اوس وقت سے قصی مکہ کا خود مختار اور مستقل
حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایۃ اور رفادۃ اور حجابۃ اور ندوۃ اور لوا اور قیادۃ کے تمام عہدے
اُس کے ہاتھ میں آگئے۔

اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و
بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا
تھا۔ (۱) سقایۃ یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت (۲) رفادۃ یعنی حاجیوں کو کھانا دینے
کی خدمت (۳) حجابۃ یعنی خدا کے مقدس معبد کی حفاظت کی خدمت (۴) ندوۃ یعنی دار الندوۃ
میں صدر انجمن بننے کا استحقاق (۵) لوا یعنی لڑائی کے وقت علم برداری کی خدمت (۶) قیادۃ
یعنی جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری کرنے کی خدمت" (امہات الامۃ صـ ۳۳)
قصی نے حاجیوں کے کھانا کھلانے کا جو انتظام کیا وہ ایسا اعلےٰ درجہ کا تھا کہ خدا نے بھی پسند کیا اور
اسلام میں بھی یہ جاری رہا۔ مورخین نے ذکر کیا ہے فجری ذلک من امرہ علے قومہ فی الجاہلیۃ
حتیٰ قام الاسلام ثم جری فی الاسلام الی یومک ھذا فھو الطعام الذی یصنعہ السلطان

کل عام یبنے للناس حتے ینقضے الحج۔ قصی کا یہ انتظام زمانہ جاہلیۃ بھر انکی قوم میں جاری رہا یہاں تک کہ دین اسلام آیا تو اس میں بھی وہ آج تک جاری ہے کیونکہ یہی وہ کھانا ہے جس کا انتظام ہر سال سلطان کی طرف سے منےٰ میں کیا جاتا ہے یہاں تک کہ حج کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو یہ کھانا بھی موقوف ہوتا ہے (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ وغیرہ)۔ اس طرح قصی کل اعلےٰ مذہبی اور دنیوی امور کو اپنے اختیار میں کر کے قریش کے سردار۔ دنیوی حاکم اور مذہبی پیشوا بن گئے۔ وکان قصی لا یخالف ولا یرد علیہ شئ صنعہ۔ قصی جو بھی کرتے کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس میں انکی مخالفت یا اتنی اعتراض کرے (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵) مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے "قصی ابن کلاب یہ وہی شخص ہے جس نے قریش کے قوائے مضمحل کو از سر نو مضبوط اور درست کیا۔ اس نے دوبارہ قریش کو حکومت و عزت کی کرسی پر بٹھایا ہے" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۰۹)۔ اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے:۔ فکان امرہ فی حیاتہ وبعد موتہ کالدین المتبع لا یعمل بغیرہ۔ قصی کی شان انکی زندگی میں اور ان کے مرنے پر بھی مثل مقبول اور پسندیدہ مذہب کے تھی کہ کوئی شخص ان کے خلاف کچھ کرتا ہی نہیں تھا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)۔ قصی کے قومی کارنامے اور رفاہ عام کی خدمتیں بے حساب ہیں۔ مکہ ایسی سخت زمین میں کنواں کھودنا بھی آپ ہی کا کام تھا۔ وحفر بمکۃ بئرا اسماھا العجول وھی اول بئر حفرتھا قریش بمکۃ۔ قصی نے مکہ میں ایک کنواں بھی کھدوایا جس کا نام عجول رکھا۔ اور یہی وہ پہلا کنواں تھا جسے قریش نے مکہ میں کھودا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۹)

قصی کی ماں کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل اور ان کی بیوی کا نام عاتکہ بنت فالخ بن ملیک تھا (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ و خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۶)۔ قصی نے ۴۸۰ عیسوی میں انتقال کیا۔ مرنے پر بھی انکی بڑی عزت رہی ولما مات دفن بالحجون فکانوا یزورون قبرہ ویعظمونہ جب قصی انتقال کر گئے تو حجون میں دفن کئے گئے۔ اس کے بعد لوگ انکی قبر کی زیارت کو جاتے اور اسکی بڑی تعظیم کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۹) مذکورہ بالا حالات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ قصی نہ رسول تھے نہ نبی۔ نہ کسی نبی کے خلیفہ یا وصی۔ مگر آپ سے معرفت و حقیت کی وہ باتیں ظاہر ہوئیں جو انبیاء ہی سے ہوتی ہیں۔ اور رفاہ عام وغیرہ کے وہ کارنامے نمایاں ہوئے جو آپ کو معمولی انسانوں سے بالاتر ثابت کرتے ہیں۔ اور غالباً اسکی وجہ یہ ہو کہ آپ سید المرسلین و خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلعم

نیز امیرالمومنین امام المتقین حضرت علی علیہ السلام کے نور کے حامل تھے۔ باوجودیکہ آپ کو ہر طرح کا دنیوی
اقتدار و وقار حاصل ہوا۔ اور آپ کے ہم وطن لوگوں نے آپ کو اپنا مقتدا و سردار مانا مگر اس درجہ
عزت و مرجعیت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ نے اپنی بادشاہت یا حکومت کا خواب نہیں دیکھا بلکہ برابر
اس مقولہ پر عمل کرتے رہے سید القوم خادمہم (کسی قوم کا سردار اس قوم کی خدمت ہی کرتا ہے) اُس
زمانہ میں تقریباً دنیا کے ہر طرف جہالت۔ ضلالت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جانوروں سے کچھ ہی ممتاز
زندگی انسان بسر کرتے اور کھاپی کر لڑ جھگڑ کر یا عیاشی فسق و فجور قتل و غارت میں مشغول رہ کر اپنے
اوقات ضائع و برباد کرتے رہتے تھے۔ دنیا کے ایسے اندھیرے عہد میں قصی نے عرب کی ترقی و
فلاح اور بہبودی و اصلاح کی وہ تدبیریں نکالیں اور ان پر عمل کیا جو زمانہ موجودہ کے بڑے بڑے
تعلیم یافتہ دماغوں میں بھی بمشکل آسکتے ہیں۔ قصی کے کل حالات پڑھ جاؤ کہیں تم کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ
اُس زمانہ کے ایسے مدبر اور مصلح نے اپنی ذاتی منفعت۔ ترقی یا آسائش کی فکر کی ہو اور ایک سکنڈ کے
لئے بھی برادران وطن کی خیرخواہی سے علحدہ ہوا ہو۔

اس سے ہم لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ اگر خدا کے فضل سے ہمیں بھی دنیوی ترقی اور جاہ و عزت
حاصل ہو تو دینی امور کی ترویج اور مذہب و ملت کی حمایت و اشاعت ہی میں مشغول رہیں اور اس اقتدار و
تسلط کا بہترین مصرف برادران دینی و اعزہ و اقربہ و ہم وطن حضرات کی ہر طرح کی خدمت سمجھیں اپنے مال
اور قوت کو دوسروں کی بھلائی میں صرف کریں اور اپنی زندگی کا بہترین مقصود دوسروں کی نفع رسانی
ہی قرار دیں کہ ایسے ہی کاموں سے انسان کا نام اس کے بعد زندہ رہتا ہے اور بعد کی نسلیں اسکی
احسان مند ہوتی ہیں۔ جو لوگ یہاں اپنی راحت و لذت کی فکر میں رہتے ہیں وہ تھوڑے ہی دنوں
اس کا مزہ پاتے ہیں مگر جو خوش قسمت افراد اپنے اعزہ و اہل وطن کی اعانت و اصلاح کو ترجیح دیتے
ہیں ان کا نام سنہرے حرفوں سے تاریخ کے اوراق پر لکھا جاتا ہے اور وہ زندہ جاوید سمجھے جاتے ہیں۔

عبدمناف

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "قصی کی چھ اولاد تھی۔ عبدالدار۔ عبدمناف۔
عبدالعزیٰ۔ عبد بن قصی اور برہ۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب
سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے لیکن قصی کے
بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی اور انھیں کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کا خاص خاندان ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص۱۱۹) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے جس کو مولوی نذیر احمد

صاحب نے لکھا ہے "قصیّ کے یوں تو کئی فرزند تھے مگر بہ لحاظ عمر سب سے بڑا عبدالدار اور بہ حیثیت فضل و شرف سب میں ممتاز عبد مناف تھا۔ عبد مناف اپنے باپ قصی کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا۔ اور اوس کے فضل و بزرگی کی دلچسپ حکایتیں قبائل قریش کی زبان پر برجستہ جستہ آنے لگی تھیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں قریش نے اس کے وفور کرم اور سخاوت کی وجہ سے اس کو فیاض کا لقب دے دیا تھا اور عام قبائل میں وہ اسی لقب سے پکارا جاتا تھا مگر اکبر اولاد ہونے کی وجہ سے قصیؔ عبدالدار سے زیادہ محبت رکھتا تھا اور اسی محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے مرض وفات میں خانہ کعبہ کے تمام مذکورہ بالا عہدے عبدالدار کے نام زد کر دیئے تھے۔ بلکہ ایک عظیم الشان مجمع میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ احتضار کے وقت قصی نے عبدالدار کو پاس بلا کر کہا بیٹا! اگرچہ تیرے دوسرے بھائی اور بنو عم فضل و شرف میں تجھ پر کھلی فوقیت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے تو ان سے فروتر درجے میں ہے۔ مگر میں نے خانہ کعبہ کے تمام مناصب تجھے دیکر ان میں ملا دیا ہے۔ اب تاوقتیکہ تو خانہ کعبہ کا دروازہ نہ کھولے گا ان میں کا کوئی شخص بھی کعبہ میں نہ جاسکے گا (یعنی حجابۃ) اور جب تک تو لڑائی کا جھنڈا نہ اوٹھائے گا قریش میں کا ایک آدمی بھی لڑائی میں نہ جائے گا (یعنی لواء) تیرے علاوہ حجاج کسی کا پانی نہیں پئیں گے (یعنی سقایۃ) اور نہ اہل موسم کسی اور کا کھانا کھائیں گے (رفادۃ) قبائل قریش تیرے ہی گھر (دارالندوہ) میں تجھے پریسیڈنٹ بنا کر مشورہ کریں گے اور لڑائی کے موقع پر تیرے سوا دوسرا فوج کی سپہ سالاری کا استحقاق نہیں رکھے گا (یعنی قیادۃ)۔ الغرض قصیؔ کے انتقال کے بعد عبدالدار اوسکی جگہ سردار ہو گیا اور جو خاص خاص عہدے خود قصیؔ سے متعلق تھے سب عبدالدار کے ہاتھ میں آ گئے۔ مگر بعد کو عبدالدار نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی عبد مناف کو ان عہدوں میں اپنا شریک کر لیا" (امہات الامۃ صفحہ ۳۳) عبد مناف کا اصلی نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی۔ وکان یقال له القمر لجمالہ وکانت امه حين ولدته دفعته الى مناف صنم بمكة تدينا بذلك فغلب عليه عبد مناف جناب عبد مناف اس وجہ صاحب حسن و جمال تھے کہ لوگ آپ کو قمر (چاند) کہا کرتے۔ جس وقت آپ پیدا ہوئے آپکی والدہ نے آپکو اپنے اعتقاد کے مطابق مکہ معظمہ کے ایک بت مناف کے پاس رکھ دیا تھا اس وجہ سے لوگ آپکو عبد مناف بھی کہنے لگے۔ ؎ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷)

؎ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد قصی نے آپ کا نام عبد مناف نہیں رکھا جس سے یہ ثابت کیا جاسکے

علامہ طبری نے مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے وھو کما قیل لہ ۵
کانت قریش بیضۃ فتفلقت فالمح خالصۃ لعبد مناف ۔ قریش مثل ایک انڈے کے تھے وہ شگافتہ ہوا تو معلوم ہوا کہ مغز خالص عبد مناف ہی کے لئے ہے (تاریخ طبری جلد ۲ ص۱۸)
اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ قصی کی شادی حُبّیٰ بنت حلیل سے ہوئی تھی۔ اس طرح عبد مناف کی مادر گرامی یہی تھیں وساد عبد مناف فی حیاۃ ابیہ وکان مطاعا فی قریش ۔ عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں سردار ہو گئے اور قریش ہر بات میں آپ کی اطاعت کرتے تھے وذکر الزبیر عن موسےٰ بن عقبہ انہ وجد کتابا فی حجر فیہ انا المغیرۃ بن قصی آمر بتقوے اللہ وصلۃ الرحم
زبیر نے موسےٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ اس نے حجر میں ایک نوشتہ پایا جس میں لکھا تھا میں مغیرہ فرزند قصیؔ ہوں ۔ میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہا کریں ص (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۱۷۶) ۔ اس سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں (۱) عبد مناف خود بھی بت پرستی سے علحدہ تھے ۔ اسی وجہ سے وہ اپنا نام عبد مناف نہیں بلکہ مغیرہ ہی کہتے یعنی باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی اعتقاد کے تھے (۲) عبد مناف اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے کسی اور کو نہیں ۔ اس لئے کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھتے تو اس سے بھی تقوےٰ اختیار کرنے کا حکم دیتے (۳) وہ بھی اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) کہ وہ بھی دوسرے عرب کی طرح بت پرستی کرتے تھے ۔ البتہ قصیؔ کی بیوی نے ایسا کیا تھا مگر جب انبیاء کرام کی کل بیویاں تک ایمان و معرفت کے اعلےٰ درجہ پر نہیں پہونچ سکیں تو جناب قصیؔ کی زوجہ سے اس کی کیوں امید کی جاتی ۔ لیکن ان کے افعال کا اعتراض جناب قصیؔ پر نہیں ہو سکتا کیونکہ انھوں نے تو اپنے فرزند کا نام مغیرہ رکھا ۔ اب ماں نے ان کو مناف کے پاس رکھا یا اس سبب سے دوسرے لوگوں نے ان کو عبد مناف کہنا شروع کیا تو قصی اس کو روک نہیں سکتے تھے ۔ دنیا میں کتنے لڑکے ایسے ہیں جن کا نام ان کے والد کچھ رکھتے ہیں اور ان کی والدہ دوسرا رکھتی ہیں ۔ یا دادیہال کے لوگ ایک نام رکھتے ہیں اور ننھیال کے رشتہ دار دوسرا نام تجویز کرتے ہیں اور دونوں ہی نام مشہور ہو جاتے ہیں ۔ چونکہ عرب میں بت پرستی کا رواج تھا اور پکارنے والے بھی زیادہ تر بت پرست ہی تھے اس سبب سے سب نے ان کو عبد مناف ہی پکارنا شروع کیا ۱۲

(حاشیہ: اور وصلہ رحم کرتے رہیں ۔)

سے ڈرنے اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحم کا حکم اسی طرح دیتے جس طرح انبیا کرام تاکید فرماتے یا جس کی تعلیم حضرت رسولخدا صلعم نے بعد کو دی۔ هلک عبد مناف بغزة من ارض الشام تاجرا وقد تزوج عاتکة بنت مرة بن هلال من بنی سلیم فی سلمیة ایضا۔ عبد مناف نے ملک شام کے ایک مقام غزہ میں انتقال کیا جہاں وہ تجارت کے لئے گئے تھے اور عاتکہ بنت مرہ سلمیہ سے شادی کی تھی (تاریخ خمیس جلد ا ص۱۰۶) وکان له الشوکة فی قریش عبد مناف کو قریش میں بڑی شوکت حاصل تھی (سبائک الذہب ص۶۹) غرض جناب عبد مناف کے فضائل و مناقب بھی اسی طرح بے حد و حساب تھے جس طرح آپ کے والد جناب قصیؑ اور آپ کے فرزند جناب ہاشم کے اور معلوم ہوتا ہے کہ جس جس بزرگ میں حضرت رسولخداؐ و جناب امیر علیہ السلام کا نور منتقل ہوتا رہا وہ سب خدا کے برگزیدہ بندے اور مخلوق خدا کے محسن اعظم افراد تھے۔ سب اپنی زندگی کو امور خیر کے جاری کرنے میں وقف کئے رہے اور کسی نے اپنی ذاتی راحت و آسائش کو کبھی ترجیح نہیں دی۔ گویا مثل انبیا و مرسلین کے ان سب کی روشش بھی رہی اور گو پیغمبر مقرر نہیں کئے گئے مگر سب کام انھیں حضرات کے مثل انجام دیتے رہے۔

اولاد عبد مناف

جب عبد مناف کا انتقال ہو گیا تو انکی اولاد میں اختلاف پیدا ہوا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبد مناف کے چھ بیٹے تھے۔ ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور با اثر تھے۔ اونھوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبد الدار کو دے دیئے گئے ہیں واپس لے لئے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں۔ عبد الدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہو گئی کہ عبد الدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا جائے۔"
(سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۱۲۰)

مولوی نذیر احمد صاحب نے عربی تاریخوں کا خلاصہ ذرہ تفصیل سے اس طرح لکھا ہے "جیتے جی تو کسی طرح کا جھگڑا اور فساد اوٹھا نہیں۔ ان کے انتقال کے بعد دونوں کی اولاد میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوئی۔ بنو عبد مناف یعنی ہاشم اور مطلب اور عبد الشمس اور نوفل کہ یہی عبد مناف کے مشہور فرزند تھے سب نے مل کر چاہا کہ اپنے بنی عم یعنی عبد الدار کی اولاد کو بالکل بے دخل کر دیں اور اون کے ہاتھوں سے وہ سب عہدے چھین لیں جو ان سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ ان کا یہ منشا باہمی صلح و سازگاری کے ساتھ پورا ہونے والا نہ تھا اس لئے فریقین جنگ پر

آمادہ ہوگئے۔ عبد مناف عطر سے بھرا ہوا ایک طشت لے کر نکلے اور مسجد الحرام میں پہونچ کر کعبہ کے دروازے پاس رکھ دیا اور ہر چہار طرف پکار دیا کہ جو شخص ہم سے محالفت کرنا اور ہمارے ساتھ ہونا چاہے اس عطر کے بھرے ہوئے طشت میں ہاتھ ڈبودے۔ چنانچہ قریش کے ایک جم غفیر نے بنو عبد مناف کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے طشت میں ہاتھ ڈبو دیئے اور یہ لوگ مطیبون کے لقب سے پکارے گئے۔ گروہ مطیبون کے ساتھ قریش کے پانچ مشہور اور زبردست قبائل نے ہمدردی ظاہر کرکے بہت ساچندہ جمع کیا۔ بنو عبد مناف ایک۔ بنو زہرہ دو۔ بنو اسد بن عبد العزے بن قصیؔ تین۔ بنو تیم بن مرو چار۔ بنو الحرث بن فہر پانچ۔ اُدھر بنو عبد الدار کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بھی بنی مخزوم اور بنو سہم اور بنو جمح اور بنو عدی ابن کعب کو ساتھ لے کر کہ یہی چار قبیلے ان کے حلیف تھے نہایت جوش وخروش کے ساتھ رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے نکلے اور ایک جوان اور قوی اونٹ ذبح کرکے اُس کا خون طشت میں بھرا اور ہر طرف اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینا چاہے اس خون میں ہاتھ ڈبوئے اور اس میں سے کچھ چاٹ بھی لے۔ چنانچہ بہت لوگوں نے بنو عبد الدار کا ساتھ دینے کی غرض سے ایسا کیا اور یہ لوگ لعقۃ الدم کہلائے۔ الغرض دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی گئی مگر خیریت یہ ہوئی کہ ابھی فریقین میدان جنگ میں نہ اُترے تھے کہ صلح کے گھوڑے دوڑنے لگے اور آخر کار اس بات پر صلح ہوگئی کہ رفادۃ اور سقایۃ اور قیادۃ کے تینوں عہدے بنو عبد مناف کے قبضہ میں رہیں اور دار الندوہ کی صدارت دونوں میں مشترک۔ پس اس فیصلہ پر فریقین راضی ہوگئے اور ہنسی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے" (امہات الامۃ ص ۳۴)

جناب ہاشم جناب عبد مناف کے بیٹے اور حضرت رسولخدا صلعم نیز جناب امیرؑ کے پردادا تھے۔ آپ وہ بزرگ ہیں کہ عرب کی تاریخ قبل الاسلام میں آپ کا اسم گرامی مثل آفتاب روشن ہے اور قیامت تک چمکتا رہیگا۔ آپ کا نام عمروؓ اور کنیت ابونضلہ تھی آپ کے والد عبد مناف اور والدہ عاتکہ بنت مرۃ السلمیہ تھیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "عبد مناف کے کئی فرزند تھے مگر سب میں زیادہ سیرچشم اور فیاض ہاشم تھے ان کا اصلی نام عمرو تھا مگر علوِّ شان کی وجہ سے لوگ ان کو عمرو العلاء بھی کہتے تھے۔ یہ اور عبد شمس دونوں حقیقی بھائی تھے اور اتفاق سے دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پیدا ہوئے تھے

کہ ہاشم کے پانوں کا پنجہ عبدشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ہاشم کا پنجہ عبدشمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اس قدر خون بہا کہ عبدشمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق یہ پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خونریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ بنو ہاشم اور عبدشمس دونوں کی اولاد میں خونریزی متوارث ہوگئی یہاں تک کہ ۱۳۲ھ ہجری میں بنو العباس جو ہاشم کی اولاد میں تھے اور بنو امیہ جو عبدشمس کی اولاد میں تھے دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنو امیہ کی قوت کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔

ہاشم نے جو فطرۃً فیاض اور سیر چشم تھا اہل موسم کی نگرانی کی خدمت شاہانہ عظمت کے ساتھ ادا کی وہ خود بڑا دولت مند تھا اور قبائل قریش کے بہت سے عمائد اور روساء نے اس کے پاس ایک معقول رقم چندے کی جمع کر دی تھی کہ حاجیوں کی تواضع اور مداراۃ میں حسب موقع اپنے ہاتھ سے خرچ کرے۔ جس رات ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا ہاشم اس کی صبح کو تمام قبائل قریش کو جمع کرتے اور خود کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگا کر دروازے کے سامنے مونہہ کر کے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت موثر خطبہ دلکش لہجہ میں پڑھتے۔ خطبہ میں عمائد قریش کو مخاطب کر کے نہایت زوردار لفظوں میں کہتے۔ معاشر قریش! تم عرب کے سردار ہو۔ تمہاری وجاہت اور شرافت نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں بڑا گونج رہا ہے اور تمہاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے۔ تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسائے ہو اور اس کے محافظ قرار دیئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایت اور اپنے حق جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمعیل میں تمہیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظت و خبرگیری کی خدمت تمہارے ہاتھ میں دیکر تمہیں خصوصیت کا تمغہ عنایت کیا ہے۔ جو لوگ خدا کے اس تقدس مآب گھر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر مداراۃ کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو۔ پس خدا کے مہمانوں اور اوس کے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم و توقیر کرو اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دو۔ میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اس قدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام کاج چل جاتے تو میں تمہیں ایک درم کی بھی تکلیف

نہیں دیتا اور بے دریغ اپنی ساری دولت خدا کے مہمانوں کی خدمت میں خرچ کر ڈالتا۔ میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندے میں دیتا ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہے اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہے۔ تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دلی سے نہیں بلکہ خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے۔ لیکن ساتھ ہی میں تمہیں بھی اس مقدس معبد کی حرمت وعظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانہ خدا کے زائروں کی مہمانی اور اونکی خاطر ومدارات کے لئے نکالو بالکل پاک اور بے لوث ہو۔ غرض کہ جب ہاشم اس طرح کا خطبہ پڑھکر فارغ ہوتے تو سامعین دولت کو جمع کرنے میں ان تھک کوشش کرتے اور بہت سا مال اکٹھا کرکے دار الندوہ میں لا ڈالتے۔ خلاصہ یہ کہ ہاشم نے بڑی دریا دلی اور فیاضی کے ساتھ حجاج کی خدمت کرکے اور اپنا ذاتی بہت سا مال خرچ کرکے مکہ میں ایک عمدہ نظیر قائم کی اور ساتھ ہی قبائل قریش نے بھی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اُس کو مال سے مدد دی۔ ہر ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے اپنی گنجائش کے موافق چندہ دیا اور حجاج کی ایک کثیر جماعت کو کھانے اور پانی کی طرف سے مطمئن کر دیا جب تک اہل موسم کا ہجوم رہتا کھانا پانی نہایت سیر چشمی کے ساتھ برابر تقسیم ہوتا رہتا۔ اس طرح مکہ کی نام آوری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی۔ مگر جس وجہ سے ہاشم کا نام بہت زیادہ مشہور ہوا وہ اوسکی اعلےٰ درجہ کی خیرات ہے جس کی اہل مکہ کو ہمیشہ سخت ضرورت رہتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب میں کال پڑا اور قریش بھوکوں مرنے لگے۔ ہاشم سے اُن کی یہ تکلیف دیکھی نہیں گئی۔ اپنی ذاتی بہت سی دولت لے کر ملک شام گیا اور وہاں سے آٹے اور روٹیوں کا بڑا ذخیرہ خرید کر اونٹوں پر لا دلایا۔ یہاں آکر بہت سے اونٹ ذبح کئے گئے اور کعک (بسکٹ) اور روٹیوں کو توڑ کر سالن میں بھگو اور ثرید بنا لوگوں کو یہاں تک کھلایا کہ وہ خوب سیر ہو گئے اس وقت سے لوگ اُس کو ہاشم کہنے لگے۔ کیونکہ ہشم کے لغوی معنے توڑنے کے ہیں۔ ہاشم نے سالن میں روٹی توڑ کر بھگوئی اور اوسے ثرید بنایا تھا اس سبب سے ہاشم کے نام سے مشہور ہوا۔

ہاشم کو فیاضی اور سیر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت ووقار بہت کچھ حاصل تھا۔ اور قدرت نے اس کی جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودیعت رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور وفود احبا اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس باین مضمون پیغام بھیجا کہ

میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین۔ اور حسین ہونے کے علاوہ لطیفہ گو۔ بذلہ سنج۔ اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اوس کی شادی کردوں۔ کیونکہ میں نے تمہارے مکارم اخلاق اور جود وسخا کا شہرہ سُنا ہے۔ ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ اور روم کے بادشاہ کے پیام کی مطلق پروا نہیں کی۔ خزرجیوں میں کا ایک مشہور قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینہ) میں بستا تھا۔ ہاشم نے اس قبیلہ میں کی ایک شریف النسب اور نجیب الطرفین عورت سے شادی کی اور اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبد المطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانۂ حیات لبریز ہو کر چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا۔" (امہات الامہ ص ۳۷) سلہ

جناب ہاشم کے مفصل حالات کے لئے ایک مخصوص کتاب کی ضرورت ہے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں " ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔ چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منا کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لئے جایا کرتے تھے۔ اُس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجار قریش انگوریہ میں جاتے تھے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہونچائیں گے۔ جس کے صلہ میں کاروانِ قریش اُن قبائل میں اُن کی ضرورت کی چیزیں خود لے کر جائیگا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود

سلہ ناظرین اس کا خیال رکھیں کہ اس اردو کی کتاب میں یہ حالات عربی تاریخوں سے خاص طور پر مختصر حیثیت سے ترجمہ کر دیئے گئے ہیں۔ اس وجہ سے ہم نے بھی اس کتاب کی عبارتوں کا نقل کر دینا مناسب سمجھا۔

عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا" (سیرۃ النبیؐ جلد۱ صفحہ۱۲۰)۔ جناب ہاشم کا روٹیاں توڑنا اور شوربے میں بھگو کر لوگوں کو کھلانا اس درجہ عظمت اور حیرت سے دیکھا گیا کہ لوگوں نے قصیدوں میں آپ کی اس سخاوت کا ذکر کیا۔ مثلاً مطرود بن کعب یا ابن الزبعری نے کہا ہے

عمرو الذی ہشم الثرید لقومہ ۔ ورجال مکۃ مسنتون عجاف

عمرو العلاء وہ نامور بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں چور کر کے اس وقت کھلائیں جب مکہ والے قحط سے نحیف و نزار ہو گئے تھے۔

یا ایھا الرجل المحول رحلہ ۔ الا نزلت بآل عبد مناف

اے وہ شخص جو اپنی جائے قیام کو پھیر رہا ہے تو آل عبد مناف کے ہاں کیوں نہیں اترا کہ وہاں تیری پوری مہمانداری کی جاتی۔ آور وہب نے جناب ہاشم کے اس کارنامے کے متعلق یہ شعر لکھے ہیں ؎

تحمل ہاشم ماضاق عنہ ۔ واعیا ان یقوم بہ ابن بیض

اتاھم بالغرائر متاقات ۔ من ارض الشام بالبر النفیض

فاوسع اہل مکۃ من ہشیم ۔ وشاب الخبز باللحم الغریض

فظل القوم بین مکللات ۔ من الشیزی وحائرہا لفیض

ہاشم نے اس بھاری بوجھ کو اٹھالیا جس کے برداشت کرنے سے بڑے حوصلہ والا ابن بیض بھی تنگ آگیا اور نہایت عاجز ہو رہا تھا۔ جناب ہاشم ان لوگوں کے لئے زمین شام سے صاف کئے ہوئے گیہوں کی بڑی بڑی گونیں بھر کر اپنے ساتھ لائے۔ (کیونکہ مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے سب لوگ نہایت درجہ پریشان اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے پس انھوں نے روٹی چور کر کے تمام مکہ والوں میں تقسیم کر دی اور عمدہ تازہ گوشت میں روٹی ملادی جس کی وجہ سے مکہ کے کل رہنے والے ایسے خوش حال ہو گئے کہ ہر شخص کو بڑے بڑے برتنوں میں بھر بھر کر غلے اور کھانے مل گئے اور پریشان و سرگشتہ لوگ بہت بہت پا گئے (یعنی ہر شخص کو اس کثرت سے دیا کہ سب فارغ البال ہو گئے)
(تاریخ طبری جلد۲ صفحہ۱۸۱)

جناب ہاشم کی اس سخاوت وجود اور ایثار و کرم کی مدح دوسرے شعرائے عصر نے بھی کی مگر خاندان

بنو امیہ کا بزرگ امیہ بن عبد الشمس جو جناب ہاشم کا بھتیجا تھا۔ آپ کے ان فضائل پر جلنے لگا خود وہ بڑا مالدار بھی تھا اس سبب سے جناب ہاشم کے مکارم کا مقابلہ اور ایسے کام کرنے کی کوشش کی جن سے خود بھی اس عزت و عظمت پر پہونچ سکے مگر جب جناب ہاشم کی طرح ضیافت و مدارات قوم میں خرچ نہیں کر سکا اور خدمت اہل وطن میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی تو قریش کے لوگوں نے اس پر تالیاں بجائیں مشہور ہے یکے نقصان مایہ دیگرے شماتت ہمسایہ۔ اپنی قوم کے چڑانے اور مضحکہ کرنے سے امیہ غیظ و غضب میں بھوت ہوکر جناب ہاشم کو بہت کچھ برا کہنے لگا۔ پھر ان کو مقابلہ کا چیلنج دیا کہ آیئے ہم آپ اپنا اپنا فخر بیان کرکے دوسروں سے دریافت کریں کہ ہم دونوں میں کون بڑھا ہوا ہے۔ مگر جناب ہاشم نے اس کے مقابلہ پر جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اس کے اس پیغام کو حقارت سے ٹھکرا دیا کیونکہ آپ رشتہ میں اس کے چچا عمر میں اس سے کہیں بڑے اور عزت و قدر و جاہ و عظمت میں اس سے ہزاروں درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ لیکن دوسروں کو تو لڑانے میں پورا مزہ ملتا ہے۔ قریش نے اصرار کیا کہ کیا مضائقہ ہے۔ آپ اس کے مقابلہ میں اپنے کارنامے ذکر کریں اور وہ اپنی خوبیاں بیان کر دے۔ جناب ہاشم نے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور فرمایا اچھا میں اس شرط پر منافرہ پسند کرتا ہوں کہ جس شخص کی فضیلت کا فیصلہ ہو جائے اس کو دوسرا شخص سیاہ آنکھوں کی پچاس اونٹنیاں بھی دے اور مکہ معظمہ سے دس سال کے لئے جلاوطن بھی ہو جائے۔ امیہ اس شرط پر راضی ہو گیا تو دونوں نے کاہن خزاعی کو حکم (منصف) قرار دیا جو عسفان میں رہتا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ اس کے ہاں گئے اور روداد بیان کر دیا۔ کاہن نے دونوں طرف کے بیانات سننے کے بعد کہا والقمر الباھر والکوکب الزاھر والغمام الماطر ومابالجومن طائر ومااھتدیٰ بعلم مسافر من منجد وغائر لقد سبق ھاشم امیۃ الی الماثر اول منہ واٰخر وابو ھمھمۃ بذلک خابر۔ روشن چاند۔ چمکتے ستارے۔ برسنے والے ابر۔ فضا میں رہنے والے پرند کی قسم اور جب تک کسی نشانی سے بلندی و پستی کے جانے والے مسافر ہدایت پاتے رہیں اس کی قسم کھا کر میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر خوبی۔ ہر فضیلت۔ ہر عزت۔ ہر شرف ہر فخر اور ہر امر میں ہاشم کا درجہ امیہ اور اس کے اول و آخر سب سے کہیں بلند اور امیہ بہت پست ہے۔ امیہ کا سسر ابو ھمھمہ بن عبد العزیٰ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ غرض اس کاہن نے ہر طرح جناب ہاشم ہی کے حق میں فیصلہ دے دیا جس پر امیہ کو پچاس اونٹنیاں دے

دینی پڑیں اور دس سال کے لئے مکہ معظمہ سے جلا وطن ہو کر ملک شام میں رہنا پڑا۔ جناب ہاشم نے ان اونٹنیوں کو لے کر اور فوراً ذبح کرا کے مکہ والوں کو کھلا دیا۔ اوس وقت سے خاندان بنی ہاشم اور خاندان بنی امیہ میں کھلی عداوت قائم ہو گئی دکان یقال لھاشم والمطلب البدران لجمالھما جناب ہاشم اور ان کے بھائی مطلب ایسے حسین وجمیل تھے کہ لوگ آپ دونوں کو دو چاند کہا کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ ص)

جناب ہاشم کے حالات میں یہ واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے کہ اُس زمانہ کے بڑے معززین بلکہ بادشاہ تک اپنی لڑکیوں کا پیغام بھیجا کرتے۔ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں :-

کان ھاشم افخر قومہ واعلاھم وکانت مائدتہ منصوبۃ لا ترفع فی السراء والضراء وکان یحمل ابن السبیل ویؤوی الخائف وکان نور رسول اللہ ؐ فی وجھہ یتوقد شعاعہ ویتلألأ ضیائہ ولا یراہ حبر من الاحبار الا قبل یدیہ ولا یمر بشیٔ الا سجد الیہ۔ تفد الیہ قبائل العرب ووفود الاحبار یحملون بناتھم یعرضون علیہ لیتزوج بھن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم وقال ان لی بنتا لم تلد النساء اجمل منھا ولا ابھی وجھا فاقدم الی حتی ازوجکھا فقد بلغنی جودک وکرمک۔ وانما اراد بذلک نور رسول اللہ ؐ الموصوف عندھم فی الانجیل وکان ھاشم یابی وکان ینطلق الی جبل ثبیر لیسأل الد السماء ثم یرجع ... فلم یزل ھاشم کذلک حتی اری فی منامہ ان تزوج سلمے بنت عمرو... کانت فی زمانھا کخدیجۃ فی زمانھا لھا عقل وحلم۔ اپنی قوم میں جناب ہاشم سب سے زیادہ فخر کے مستحق اور سب سے عزت وشرف کے مالک تھے۔ ان کا دستر خوان ہمیشہ پھیلا رہتا تھا خواہ خوشحالی کا زمانہ ہو یا تنگی کا کسی زمانہ میں اوٹھایا نہیں جاتا تھا۔ وہ مسافروں کی مدد کرتے اور خوف زدہ کو پناہ دیتے رہتے تھے اور حضرت رسولخدا صلعم کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا رہتا اور اوسکی روشنی کی چھوٹ ہر طرف پڑتی رہتی تھی اور جو یہودی یا عیسائی عالم یا پیشوا آپ کو دیکھتا آپ کے دونوں ہاتھوں کو چومنے لگتا اور جس چیز کی طرف سے آپ گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرنے لگتی۔ قبائل عرب اور یہودی عیسائی پیشواؤں کے وفود (ڈیپوٹیشن) آپ کے پاس اپنی لڑکیاں لاتے اور آپ کی خدمت میں پیش کر کے کہتے کہ ان سے آپ شادی کر لیں یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنت روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی اپنی لڑکی کا پیغام آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا میری ایک بیٹی ہے جو ایسی خوبصورت ہے

کہ اس کا جواب دنیا میں نہیں مل سکتی۔ میری خواہش ہے کہ آپ میرے پاس چلے آئیں کہ آپ ہی سے میں اس کی شادی کردوں۔ کیونکہ آپ کے جود و کرم کے حالات مجھے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ہرقل کا مقصود اس سے یہ تھا کہ حضرت رسولخدا صلعم کا نور اپنی بیٹی کے لئے حاصل کرے۔ کیونکہ انجیل میں اس کی مدح و ثنا مذکور تھی۔ مگر جناب ہاشم ان سب لوگوں کا پیغام نامنظور کرتے رہے ان کا معمول تھا کہ شبیر پہاڑ پر چلے جاتے اور خداوند عالم سے دعا کرکے واپس آتے.. غرض وہ ہمیشہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیبی کہتا ہے تم سلمے بنت عمرو سے شادی کرلو... سلمے ویسی ہی معزز تھیں جیسی اپنے زمانہ میں جناب خدیجہ ہوئی ہیں بڑی عقل و علم والی بی بی تھیں (تاریخ خمیس جلد ا ص۱۷۸) دوسری روایت یہ ہے کہ جناب ہاشم تجارت کرنے شام گئے تھے راستہ میں مدینہ پہونچے تو سلمے بنت عمرو کے والد کو پیغام دیا۔ اونھوں نے منظور کرکے سلمے کی شادی آپ سے کردی اور یہ شرط کی کہ ولادت کے وقت سلمے اپنے میکے میں چلی آیا کرینگی۔ نکاح کے بعد بغیر بیوی سے ملے ہوئے جناب ہاشم شام چلے گئے اور جب وہاں سے تجارت کا کام انجام دیکر واپس آنے لگے تو پھر مدینہ میں ٹھہرے اب بیوی سے ملے اور ان کو بھی اپنے ساتھ مکہ میں لائے۔ جب سلمی حاملہ ہوئیں اور وضع حمل کا زمانہ قریب ہوا تو جناب ہاشم نے ان کو مدینہ پہونچادیا اور خود پھر تجارت کے لئے شام کی طرف چلے گئے (تاریخ خمیس جلد ا ص۱۷۹) سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب ہاشم کس عزت و عظمت پر فائز تھے جن سے اپنی بیٹی کی شادی کردینے کے لئے ہرقل بادشاہ روم نے بلایا اور آپ نے اس نسبت سے صاف انکار کردیا۔ حالانکہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ تک اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی شادی ان سے زیادہ خوشحال اور مالدار گھر میں ہو۔

جناب ہاشم کا یہ کارنامہ بھی زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اہل مکہ کو خصوصاً اور عرب کو عموماً مرفہ الحال بنانے اور ترقی کی راہ پر لگانے کے لئے تجارت کی طرف متوجہ کیا اور یہ اصول مقرر کیا کہ ہر سال دو مرتبہ قریش کے قافلے تجارت کی غرض سے باہر جایا کریں۔ جاڑے کے موسم میں یمن اور حبشہ تک اور گرمیوں میں ملک شام کی طرف یہ ایسا مقبول اور قابل فخر کارنامہ تھا کہ آپ کے اس احسان کا ذکر خدا نے بھی کلام مجید میں کیا ہے۔ فرماتا ہے:۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم لایلاف قریش۔ ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف

چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگادی ہے (پارہ ۳۰۔ ع ۳۱) جناب ہاشم کا یہ احسان عظیم عرب کی صرف ترقی ہی کا باعث نہیں ہوا بلکہ اس نے ان کو گویا زندہ کردیا۔ علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے کانت قریش فی الجاھلیۃ تحتفد وکان احتفادھا ان اھل البیت منھم کانوا اذا اسافت یعنی ھلکت اموالھم خرجوا الی براز من الارض فضربوا علی انفسھم الاخبیۃ ثم تناوبوا فیھا حتی یموتوا من قبل ان یعلم بخلتھم حتی نشأ ھاشم بن عبد مناف فلما بنل وعظم قدرہ فی قومہ قال یا معشر قریش ان العز مع الکثرۃ وقد اصبحتم اکثر العرب اموالا و اعزھم نفرا وان ھذا الاحتفاد قد اتی علی کثیر منکم وقد رأیت رأیا۔ قالوا رأیک راشد فمرنا نائتمر۔ قال رایت ان اخلط فقراءکم باغنیائکم فاعمد الی رجل غنی فاضم الیہ فقیرا عیالہ بعدد عیالہ فیکون یوازرہ فی الرحلتین رحلۃ الصیف الی الشام ورحلۃ الشتاء الی الیمن فما کان فی مال الغنی من فضل عاش الفقیر وعیالہ فی ظلہ وکان ذلک قطعا للاحتفاد۔ قالوا نعم ما رأیت فالف بین الناس ۔ قریش کا دستور تھا کہ زمانہ جاہلیت میں احتفاد کرتے تھے۔ اور ان کا احتفاد یہ تھا کہ جب کسی خاندان کے لوگوں کا مال و متاع ختم ہوجاتا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ رہتا تو وہ گھر بار چھوڑ کر اپنی بستی سے باہر میدان میں چلے جاتے اور اپنے اوپر خیمے ڈال کر اس کے اندر پڑ جاتے تھے۔ اس کام کو وہ باری باری کرتے رہتے یہاں تک کہ اسی کے اندر مر کر ختم ہوجاتے اور دوسرے لوگوں کو ان کی پریشانی اور تنگ حالی کی خبر بھی نہیں ہونے پاتی ۔ یہ طریقہ ان میں رائج رہا یہاں تک کہ ہاشم بن عبد مناف ہوش گوش والے ہوئے۔ جب ان کی قوم یعنی قبیلہ قریش میں ان کی بزرگی اور شرافت مسلم اور ان کی قدر عظیم الشان ہوگئی تو انھوں نے ان لوگوں میں یہ لکچر دیا۔ معشر قریش خوب سمجھ رکھو کہ وہی لوگ دوسروں پر غالب رہ سکتے ہیں جن کی تعداد زیادہ ہوگی۔ تم لوگ مال کے اعتبار سے عرب میں سب سے زیادہ اور تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑھے ہوئے ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ احتفاد کی مصیبت تم لوگوں کو ختم کئے دیتی ہے۔ اس بنا پر میں نے غور و فکر کرکے ایک تدبیر سوچی ہے۔ لوگوں نے کہا آپ کی رائے یقیناً بہتر اور ہم سب کی بھلائی ہی کی ہوگی ۔ آپ نے جو تدبیر سوچی ہے بے تکلف اس کو ظاہر فرمائیں کہ ہم سب اس پر عمل کریں ۔ تب آپ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگوں میں جو

فقیر اور نادار ہیں ان کو مال دار اور خوش حال لوگوں سے ملا دوں۔ اس طرح کہ ایک مال دار کو رضی کر کے اس کے ساتھ ایک فقیر کو کر دوں جس کے عیال اسی قدر ہوں جس قدر اس مال دار کے ہیں۔ اور یہ فقیر اس مال دار کی مدد ان تجارتی سفروں میں کرے جو گرمی میں شام کی طرف اور جاڑے میں یمن کی طرف کرتے ہیں۔ اس طرح مال دار کے مال میں جو زیادتی ہو گی اس سے وہ فقیر اور اس کے عیال بھی اس مالدار کے سایہ میں بسر کر لیا کریں گے۔ اور یہی عمل تم لوگوں کے احتفاد کی مصیبت کا خاتمہ کر دے گا۔ جناب ہاشم کی یہ تقریر سن کر سب نے کہا واہ واہ آپ نے کیسی اچھی تدبیر سوچی۔ اس طرح جناب ہاشم نے ان قریش والوں میں ایک کو دوسرے کا دوست اور ساتھی بنا دیا (تفسیر درمنثور جلد ۶ ص۳۹۷) نیز علامہ فخر الدین رازی نے اس سورہ ایلاف کی تفسیر میں لکھا ہے ان قریشا اذا اصاب واحد امنہم مخمصۃ خرج ہو وعیالہ الی موضع وضربوا علی انفسہم خباء حتی یموتوا۔ الی ان جاء ہاشم ابن عبد مناف وکان سید قومہ وکان لہ ابن یقال لہ اسد۔ وکان لہ ترب من بنی مخزوم یحبہ ویلعب معہ فشکا الیہ الضرر والمجاعۃ۔ فدخل اسد علی امہ یبکی۔ فارسلت الی اولئک بدقیق وشحم فعاشوا فیہ ایاما۔ ثم اتی ترب اسد الیہ مرۃ اخری وشکا الیہ من الجوع فقام ہاشم خطیبا فی قریش فقال انکم اجدبتم جدبا تقلون فیہ وتذلون وانتم اہل حرم اللہ واشرف ولد آدم والناس لکم تبع۔ قالوا نحن تبع لک فلیس علیک منا خلاف۔ فجمع کل بنی اب علی الرحلتین فی الشتاء الی الیمن وفی الصیف الی الشام للتجارات فما ربح الغنی قسمہ بینہ وبین الفقیر حتی کان فقیرہم کغنیہم فجاء الاسلام وہم علی ذلک فلم یکن فی العرب بنواب اکثر مالا ولا اعز من قریش قال الشاعر فیہم ؎

الخالطین فقیرہم بغنیہم — حتی یکون فقیرہم کالکافی

قریش کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کا کوئی شخص فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو وہ اپنے عیال کو لے کر کسی جگہ چلا جاتا اور وہ سب لوگ اپنے اوپر خیمہ گرا دیتے یہاں تک کہ اسی میں مر جاتے۔ ان لوگوں کی اس مصیبت کا اس وقت خاتمہ ہوا جب ان میں جناب ہاشم بن عبد مناف پیدا ہوئے۔ وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کے سردار بنا دیئے گئے۔ آپ کے ایک صاحب زادے کا نام اسد تھا۔ یہ اسد جب بچے تھے تو ان کا ایک ساتھی جو قبیلہ بنو مخزوم سے تھا جس سے

ان سے دوستی تھی اور اس کے ساتھ کھیلا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس آیا اور شکایت کی کہ بھوک سے میری بُری حالت ہے۔ بڑی تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہے۔ اسد پر اس خبر کا ایسا اثر ہوا کہ وہ خود روتے ہوئے اپنی ماں پاس پہونچے اور یہ حالت بیان کی۔ جناب ہاشم کی زوجہ محترمہ نے فوراً کافی مقدار میں آٹا اور پنیر اس لڑکے کے گھر بھیج دی۔ جس سے کئی دن تک وہ سب آرام سے بسر کرتے رہے۔ جب یہ ذخیرہ ختم ہوگیا تو پھر اس لڑکے نے اسد سے اپنی مصیبت بیان کی (ماں نے پھر وہاں غلہ وغیرہ بھیج دیا اور) جناب ہاشم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کرکے آپ نے ایک تقریر کی جس میں فرمایا تم لوگ قحط اور تنگ حالی کی اس مصیبت میں گرفتار ہو جس سے ختم بھی ہوتے جاتے ہو اور ذلیل بھی ہو رہے ہو حالانکہ تم سب حرمِ خدا (خانہ کعبہ) کے رہنے والے اور تمام بنی آدم سے اشرف ہو۔ باقی سب لوگ تمہارے ہی تابع ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اور ہم لوگ آپ کے تابع ہیں۔ جو کہیئے کریں گے اور کسی بات میں آپ ہم کو اپنے خلاف نہیں پائیگا۔ تب جناب ہاشم کو موقع ملا اور اونھوں نے ہر خاندان والے کو آمادہ کیا کہ ہر سال دو مرتبہ باہر تجارتی سفر کیا کریں۔ جاڑے میں یمن کی طرف اور گرمی میں شام کی طرف تجارت کا قافلہ لے جائیں اور مال دار کو جو نفع ہو اوس کو اپنے اور اپنے نادار رشتہ داروں میں برابر برابر تقسیم کر دیا کرے تاکہ ان کا فقیر بھی اوسی قدر مال دار ہو جایا کرے جتنا وہ دولت مند ہے۔ سب نے یہ بات مان لی اور اسی عادت پر یہ لوگ قائم رہے۔ یہاں تک کہ اسلام آیا۔ اِسی وجہ سے اُس زمانہ میں قریش سے زیادہ مال دار اور معزز دوسرا کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ اسی بارے میں شاعر نے یہ شعر کہا ہے کہ یہ لوگ ایسے حوصلہ والے ہیں کہ اپنے فقیروں کو اپنے مال داروں سے ملا دیتے ہیں جس سے ان کا فقیر بھی مثل خوش حال کے ہو جاتا ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۶۹۲)

مورخین و محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان تجارتی قافلوں کی ایجاد جناب ہاشم ہی نے کی۔ آپ سے پہلے کسی کو یہ شرف نہیں ملا۔ علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے:۔ وکان هاشم فی ما یزعمون اول من سن الرحلتین لقریش رحلة الشتاء و الصیف و اول من اطعم الثرید للحجاج ۔ لوگوں کا بیان ہے کہ جناب ہاشم ہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے قریش میں تجارتی قافلوں کی ایجاد کی۔ ایک قافلہ جاڑے میں روانہ کرتے اور ایک گرمی میں۔ اور

وہی پہلے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے حاجیوں کو ثرید کھلائی (روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص۹۴) غالباً آپ کے انھیں مکارم و مفاخر کی وجہ سے لوگوں نے آپ کا لقب ابو البطحاء (مکہ کے باپ) و سید البطحاء (مکہ کے سردار) رکھ دیا تھا۔ آپ کی شان میں یہ اشعار بھی کہے گئے ؎

عمرو العلاذ والندے من لا یسابقہ ۔۔۔ مر السحاب ولا ریح تجاریہ

جفانہ کالجوابی للوفود اذا ۔۔۔ لبوا بمکۃ نادا ھم منادیہ

اوا محلوا اخصبوا منہا وقد ملئت ۔۔۔ قوتا لحاضرۃ منہم و بادیہ

عمرو العلا (بلند مرتبہ ہاشم) ایسی سخاوت اور کرم کے بزرگ ہیں جن کا مقابلہ اُڑتا ہوا ابر اور چلتی ہوئی ہوا بھی نہیں کر سکتی۔ ان کے کٹورے مثل بڑے حوضوں کے ہیں کہ جب باہر کے لوگ مکہ میں لبیک لبیک کہتے پہونچتے ہیں تو جناب ہاشم کی طرف سے ایک منادی ان کو آواز دیکر ان کے ہاں لے جاتا اور سیر و سیراب کرتا ہے۔ یا جب لوگوں میں قحط اور فقر و فاقہ کی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لوگ انھیں بڑے بڑے پیالوں سے بھر دیئے جاتے ہیں جن میں ان کے لئے بھی کھانے پینے کا پورا سامان کیا جاتا ہے اور ان کے غائب اعزہ کے لئے بھی دے دیا جاتا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص۵)

آپ کے متعلق جو اشعار کہے گئے وہ اس طرح پھیلے اور اُن سے آپ کے فضائل و مکارم کی شہرت بعد میں بھی اس درجہ ہوتی رہی کہ کافی زمانہ گزرنے پر بعض حاسدین ان شعروں کو بدل کر اپنے ممدوحین کی شان میں کہنے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت رسولخدا صلعم بنو شیبہ کے دروازے کے پاس سے گزرے تو کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے سُنا ؎

یا ایھا الرجل المحول رحلہ ۔۔۔ الا نزلت بال عبد الدار

ھبلتک امک لو نزلت برحلھم ۔۔۔ منعوک عن عدم ومن اقتار

(اے وہ شخص جو اپنی پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدل رہا ہے تو آل عبد الدار میں کیوں نہیں اُترا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان لوگوں کی منزل میں اُترتا تو وہ لوگ تجھے ناداری اور مفلسی سے بچا لیتے۔ یہ سنکر حضرت رسولخدا صلعم حضرت ابو بکر کی طرف (جو اتفاق سے اس وقت آپ کے ساتھ ہو گئے تھے) متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں جی؟ کیا شاعر نے اسی طرح کہا تھا؟ حضرت ابو بکر نے کہا نہیں خدا کی قسم اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا تھا ؎

یا ایہا الرجل المحول رحلہ ۔ الا نزلت بآل عبد مناف
ہبلتک امک لو نزلت برحلہم ۔ منعوک من علام ومن اقراف
الخالطین غنیہم بفقیرہم ۔ حتے یعود فقیرہم کالکافی

اے وہ شخص جو ناداری اور پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدلتا اور دوسری جگہ جاتا جاتا ہے تو آل عبد مناف (جناب ہاشم) کی منزل میں کیوں نہیں اُتر پڑتا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو انکی منزل میں اُتر جاتا تو وہ لوگ تجھے فقیری اور برائی سے بچا لیتے کیونکہ وہ ایسے کریم ہیں جو اپنے فقیروں کو اپنے مالداروں میں ملا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر بھی ان سے ملکر کافی خوش حال ہو جاتا ہے۔ یہ سنکر حضرت رسولخداؐ صلعم نے تبسم کیا اور فرمایا ہکذا سمعت الرواۃ ینشدونہ۔ میں نے بھی اشعار ذکر کرنے والوں سے اسی طرح سُنا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ا صہ) لہ

لوگوں نے جو کچھ کوشش کی صرف اسی کی کہ جناب ہاشم کی شان کے اشعار دوسروں کے لئے سمجھے جائیں مگر آج تک کہ جناب ممدوح کو دنیا سے اوٹھے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ ہو گئے کسی کو سوائے خاندان بنی ہاشم ہی کے یہ ہمت نہ ہو سکی کہ ویسے کارنامے دکھاتا خصوصاً جناب ممدوح کا قریش کو احتقاد کی مصیبت سے نجات دینا تو وہ عظیم الشان احسان ہے کہ اس وقت دنیا باوجود اس درجہ ترقی یافتہ ہو جانے کے اور اس اصول کی خوبی سمجھنے کے بعد بھی ویسا کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔

ان دنوں دنیا میں سوشیلزم یعنی اشتراکیت کا بہت شور و غل ہے اور ہر تعلیم یافتہ۔ آزاد خیال اس کو پسند کرتا اور اسکی ترویج پر زور دیتا ہے مگر ابھی صرف زبانی تحسین ہی تک یہ اصول پہونچا ہے۔ بہت کم ہونگے جو عملاً اس کی نظیر قائم کرتے ہوں۔ سوشیلزم اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک طرف تو ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی جائداد رکھتے ہیں اور جن کے قبضہ میں اُن کی حاجت سے بہت زیادہ مال و دولت ہے۔ ان کے مقابلے میں ایسے افراد بھی بہت زیادہ ہیں جن کے پاس اتنا بھی نہیں جس سے شکم سیر ہو سکیں۔ ستر پوشی

لہ غرض حضرت رسولخداؐ کے بزرگوں کے فضائل کو بھی دوسروں کی طرف منسوب کرنیکی کوشش ہوتی رہی ہے ۱۲

کر سکیں۔ ٹوٹے ہوئے مکان میں رہ سکیں۔ معمولی چار پائی تخت تک کا انتظام کر سکیں۔ اس لئے انسانی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور عقل وانصاف کی رو سے وہ کروروں روپئے جو ارباب ثروت کے پاس بیکار یا انکی حاجت سے فاضل پڑے ہوئے ہیں فقراء ومساکین و قلیل البضاعۃ انسانوں پر تقسیم کر دیئے جائیں تاکہ دونوں گروہ باسانی زندگی بسر کر سکیں۔ اور اسکی معقول وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دنیا کی ہر نوع اور ہر قسم کی آمدنی کی اصل مزدور اور اہل سرمایہ ہیں۔ دونوں آمدنی کے پیدا کرنے میں برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے انصاف یہ ہے کہ ہر قسم کی آمدنی دو مساوی حصوں میں بانٹ دی جائے۔ ایک حصہ مزدوروں کو دیا جائے اور دوسرا حصہ اہل سرمایہ لیں لیکن تمام دنیا میں اہل سرمایہ اور کارخانہ دار تمام منافع کے اصل مالک بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو اُن کے حق سے اس قدر کم دیا جاتا ہے کہ وہ مشکل سے اوقات بسری کر سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مزدوری کی اعانت کی جائے۔

ان تمام بیانات بالا کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقراء۔ مزدوروں اور کم حیثیت افراد کی امداد کی جائے۔ یہی خیال سوشیلزم یا اشتراکیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس خیال کی کامیابی کے لئے لوگوں کو بہت سے مراتب طے کرنے پڑتے ہیں جن کا حصل یہ ہے کہ موجودہ نظام زندگی بالکل بدل دیا جائے۔ ہر قسم کی جائدادیں اور ملکیتیں اہل سرمایہ اور ارباب ثروت کی شخصی ملکیت و تصرف سے نکال کر وقف عام کر دی جائیں۔ تمام کاشتکاریاں۔ جائدادیں۔ اور کارخانے جمہور کی ملکیت ہوں ہر قسم کا منافع ایک جگہ جمع ہو اور وہ تمام اہل ملک پر مساوی طور سے گورنمنٹ کی نگرانی میں تقسیم ہو۔ ہر شخص کے امتیازات شخصی مٹا دیئے جائیں۔ ذاتی اعزاز وتفوق کی کوئی مثال باقی نہ رہے۔ بادشاہ اور رعایا۔ آقا اور غلام۔ حاکم اور محکوم۔ امیر اور فقیر۔ معزز اور ذلیل۔ غرض ہر قسم کے تفاوت مراتب کو صفحۂ عالم سے محو کر دیا جائے اور تمام عالم کی ہر چیز میں مساوات عامہ ہو۔ چونکہ اس خیال کی اشاعت زمانہ حال میں ہوئی اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ اشتراکیت انیسویں صدی کی پیداوار ہے لیکن اگر انصاف سے آنکھیں نہ بند کی جائیں تو ماننا پڑے گا کہ اس اصول کو جناب ہاشم نے قائم کیا اور لوگوں کو اس کا عامل بھی بنا دیا۔

جناب ہاشم کا فرمان روایان شام وروم وشیوخ غسان سے مل کر معاہدے کرنا کہ تجارت کے لئے آزادانہ طرفین ایک دوسرے کے حدود میں سے بامن وامان گزرا کریں اور اسی طرح عبد شمس

و نوفل و مطلب کی معرفت حبشہ و یمن اور ایران کی حکومتوں سے بھی معاہدے کرتا جس سے قریش آزادی سے ان ملکوں میں آنے جانے لگے۔ آپکی وہ عظیم الشان خدمت ہے جس پر دنیا انگشت بہ دنداں ہے۔ جناب ہاشم نے بحالت سفر ملک شام کے ایک مقام غزہ میں تقریباً سنہ ۵۱۰ء میں انتقال کیا۔ اور آپ کے ساتھیوں نے وہیں آپ کو دفن کر دیا۔ علامہ سید احمد بن علی لکھتے ہیں:۔ وکان ھاشم یدعی القمر ویسمی زاد الرکب ہاشم کو لوگ قمر (چاند) کے نام سے پکارتے اور وہ زاد الرکب (قافلوں کے توشہ) بھی کہے جاتے تھے (عمدۃ الطالب)

نہایت حیرت خیز امر تو یہ ہے کہ جناب ہاشم کی عمر صرف ۲۰ یا زیادہ سے زیادہ ۲۵ سال کی تھی کیونکہ کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ اس سے زیادہ دنوں تک دنیا میں رہے ہوں۔ اور سب جانتے ہیں کہ بچپن سے لیکر ۲۰۔ ۲۵ سال کی عمر تک ہر شخص کھیل کود۔ لہو و لعب اور لاپروائی و بے فکری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ زمانہ زیادہ تر جوانی کی لذتیں اوٹھانے میں گزرتا ہے خصوصاً اُس زمانہ میں جبکہ اسکول تھا نہ کالج نہ باقاعدہ تعلیم کا کوئی رواج مگر جناب ہاشم نے اس زمانہ اور اپنی جوانی کی مختصر زندگی میں رفاہ عام کے وہ کام انجام دیئے جو اس زمانہ میں بھی بڑی عمر والوں اور غایت تعلیم یافتہ حضرات سے نظر نہیں آتے۔ اگر مستند کتب سیرۃ و تاریخ میں یہ واقعات نہ ہوتے اور کوئی شخص بیان کرتا کہ چودہ پندرہ سو سال قبل ایک شخص ایسا گزرا ہے جس نے صرف ۲۰۔ ۲۵ سال کی عمر میں بنی نوع انسان کی اتنی خدمتیں کیں۔ انکی ترقی کی فلاں فلاں تدبیریں کیں۔ ان کے فلاح و اقبال کی فلاں راہیں ایجاد کیں تو کسی کی عقل قبول نہ کرتی مگر یہ واقعات ویسے ہی یقینی ہیں جیسے آج کل کے بڑے بڑے مدبرین کے علمی و عملی کارنامے۔

فضائل بنو ہاشم جناب قصیؑ و عبد مناف و ہاشم کے حالات تم نے اچھی طرح پڑھے جن سے اس نتیجہ پر پہونچ گئے کہ ان کو نوع انسان کی خدمت کا کس درجہ شوق تھا اور اہل وطن کی ترقی کی کیسی فکر رہتی تھی۔ اسی وجہ سے خدا نے بھی ان حضرات کو دوسروں پر غیر معمولی فضیلت مرحمت فرمائی۔ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے قال لی جبرئیل قلبت مشارق الارض و مغاربھا فلم اجد رجلا افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربھا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ھاشم۔ مجھ سے جبرئیل بیان کرتے تھے کہ میں نے دنیا کے پورب اور پچھم کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ ڈالا مگر آپ (محمدؐ) سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا۔ اور دنیا کے پورب پچھم کو چھان ڈالا

لیکن بنی ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۰۲)

(۲) ان اللہ عز وجل اصطفےٰ کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفےٰ قریشا من کنانۃ واصطفےٰ من قریش بنی ہاشم واصطفانی من بنی ہاشم۔ خدا نے قبیلہ کنانہ کو اولاد اسمٰعیل میں ممتاز کردیا۔ اور قبیلہ کنانہ سے قریش کو ترجیح دی اور قریش سے بنی ہاشم کو چن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کردیا (ص ۱۰۱) حضرت عائشہ سے بھی یہ روایت ہے قالت قال رسول اللہ قال لی جبریل تلبت الارض مشارقہا ومغاربہا فلم اجد احدا افضل من محمد وقلبت الارض مشارقہا ومغاربہا فلم اجد بنی اب افضل من بنی ہاشم۔ (ترجمہ اوپر گزر چکا)

یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا۔ ان اللہ عز وجل خلق الخلق فاختار من الخلق بنی آدم واختار من بنی آدم العرب واختار من العرب مضر۔ واختار من مضر قریشا واختار من قریش بنی ہاشم واختارنی من بنی ہاشم۔ اللہ عز وجل نے خلق کو پیدا کیا تو بنی آدم کو سب مخلوقات پر فضیلت دی۔ اور باقی بنی آدم پر عرب کو ترجیح دی۔ اور عرب سے مضر کو چن لیا۔ اور مضر سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کیا (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۱)

جناب ہاشم کی اولاد

جناب ہاشم کی کتنی اولاد ہوئی اس کی تحقیق بھی اسلامی تاریخ کا ایک مشکل مسئلہ ہے۔ جلیل القدر مورخین کا بیان ہے کہ ولد لہاشم عبد المطلب علے عمود النسب ولم یعلم لہاشم ولد غیرہ۔ جناب ہاشم کے ہاں عبدالمطلب پیدا ہوئے جو حضرت رسول خدا صلعم کے بزرگوں میں ہیں۔ اور ان کے سوائے اُن کا دوسرا کوئی فرزند معلوم نہیں ہوا (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۱) اسکی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے "ایکبار (ہاشم) تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ میں مدینہ ٹھہرے۔ وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات وسکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمےٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کرلی۔ غرض نکاح ہوگیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا سلمےٰ کو حمل رہ گیا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ

میں پرورش پائی ۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ
روانہ ہوئے ۔ وہاں پہونچ کر بھتیجے کی جستجو کی ۔ سلمیٰ نے ان کے آنے کا حال سُنا تو بلوا بھیجا
تین دن مہمان رہے ۔ چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے ۔ ان کی عمر ۸ برس
کی تھی ۔ یہاں آکر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۲۱)
ہمیں یہ ثابت ہوا کہ جناب ہاشم کی زندگی میں ان کا کوئی لڑکا نہیں ہوا بلکہ آپ کی بیوی جب
حاملہ تھیں اسی وقت جناب ہاشم کا انتقال ہو گیا ۔ مگر یہی مورخین جب حضرت امیر المومنین
علیؑ کی والدہ جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہیں تو تحریر کرتے ہیں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم یعنی
جناب فاطمہ اسد کی بیٹی تھیں جو جناب ہاشم کے فرزند تھے ۔ چنانچہ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں
"وفی ھذہ السنۃ توفیت فاطمہ بنت اسد بن ھاشم بن عبد مناف ۔ اسی سال (سنہ ۴ھ
میں) جناب فاطمہ نے انتقال کیا جو بیٹی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم کے
(تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۵۲۶) اور علامہ ابن اثیر جزری نے جناب امیرؑ کے حالات میں لکھا ہے:۔
"اما نسبہ فھو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ھاشم و امہ فاطمۃ بنت اسد
بن ھاشم ابن عبد مناف وھو اول خلیفۃ ابواہ ھاشمیان ۔ حضرت علیؑ کے والد
ابو طالب تھے اور آپ کی والدہ فاطمہ تھیں جو بیٹی تھیں جناب اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب
ہاشم کے ۔ اور حضرت علیؑ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جن کے باپ (ابو طالب) اور ماں (فاطمہ بنت اسد)
دونوں ہاشمی ہی تھے (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۵۱) مورخین اسلام کے امام اور استاد اعظم
علامہ طبری نے بھی لکھا ہے ھو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ھاشم ابن عبد مناف
وامہ فاطمۃ ابنۃ اسد بن ھاشم بن عبد مناف ۔ حضرت علیؑ کے والد کا نام ابو طالب تھا
اور آپکی والدہ فاطمہ تھیں جو صاحبزادی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم بن عبد مناف
کے (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۸۹) اور علامہ ابن قتیبہ دینوری نے جو قدیم مورخ اور علم نسب کا بھی بڑا
محقق ہے لکھا ہے :۔ "فاما ھاشم بن عبد مناف فاسمہ عمرو و مات بغزۃ من ارض الشام
وخلف عبد المطلب و اسد او غیرھما من لم یعقب فاما اسد فولد جنینا ولم یعقب وھو
خال علی ابن ابیطالب و فاطمۃ وھی ام علی ابن ابی طالب ولیس فی الارض ھاشمی الا من
ولد عبد المطلب بن ھاشم لانہ کان ھاشم ذکر لم یعقبوا ۔ ہاشم بن عبد مناف کا نام عمرو تھا

انھوں نے ملک شام کے مقام غزہ میں انتقال کیا اور اولاد میں جناب عبدالمطلب و اسد وغیرہ کو چھوڑا۔ اسد کے بھی ایک بچہ ہوا تھا مگر اس کی اولاد نہیں ہوئی۔ وہی بچہ حضرت علی کا ماموں تھا اور اسد کی دوسری اولاد جناب فاطمہ تھیں جو حضرت علی کی مادر گرامی ہوئیں۔ اور اس وقت روئے زمین پر سوائے اولاد عبدالمطلب کے کوئی ہاشمی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جناب ہاشم کی اولاد ذکور میں کئی شخص تھے مگر ان (اولاد ذکور) کی کوئی اولاد نہیں بچی (معارف مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲) اور علم انساب عرب کے بڑے محقق سویدی نے لکھا ہے وکان لہ من الولد عبدالمطلب واسد ونضلہ وصیفی وابوصیفی۔ جناب ہاشم کے فرزندوں میں عبدالمطلب و اسد ونضلہ وصیفی وابوصیفی تھے (سبائک الذہب فی معرفۃ قبائل العرب صفحہ) ۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے یہ غلطی کیسے کی کہ جناب ہاشم کا حال جس جگہ لکھا وہاں آپ کی اولاد میں صرف جناب عبدالمطلب کو بیان کیا۔ اور جناب اسد کو بالکل فراموش کر گئے۔

جناب اسد عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ جناب ہاشم کے فرزند جناب عبدالمطلب کے علاوہ جناب اسد بھی تھے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جناب ہاشم نے پہلے مکہ معظمہ میں اپنی ہی قوم کی ایک عورت سے عقد کیا تھا جس سے اسد صیفی وغیرہ پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بعد آپ مدینہ گئے اور وہاں سلمیٰ سے بھی عقد کیا جن سے جناب عبدالمطلب اپنے والد (ہاشم) کے بعد پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ جناب اسد کی اولاد ذکور میں سے کوئی نہیں تھا اس وجہ سے لوگوں نے آپ کو نظر انداز کر دیا۔ جناب اسد کی رحم دلی اور انسانی ہمدردی کی جو کیفیت تھی وہ اوپر تفسیر کبیر کی عبارت سے مذکور ہو چکی کہ کس طرح آپ اپنے ہم عمر لڑکے کے فقر و فاقہ کی خبر سن کر روتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس گئے اور ان سے اس کے گھر غلہ وغیرہ بھجوایا۔ افسوس ہے کہ آپ کے دوسرے حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔ لیکن اگر صرف واقعہ مذکورہ ہی کو دیکھا جائے تو نتائج کے اعتبار سے وہی آپ کا قابل فخر کارنامہ ثابت ہوگا کیونکہ اس زمانہ میں عرب اعتقاد کی مصیبت میں مبتلا تھے۔ جب جناب اسد نے اپنے دوست کو اپنی والدہ سے غلہ وغیرہ دلوایا۔ تب اس کی خبر جناب ہاشم کو ہوئی اور اسی پر آپ نے قریش کو جمع کر کے آمادہ کیا کہ ان میں کا امیر اپنے فقیر رشتہ دار کی کفالت اپنے ذمے لے لے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور قریش عدد میں کم اور مالی اعتبار میں نادار ہو جانے سے بچ گئے۔ گویا جناب ہاشم کے اس عظیم الشان کارنامہ کا

سنگ بنیاد آپ کے فرزند جناب اسد ہی نے رکھا اور قدرت کی طرف سے یہی انتظام ہونا بھی چاہیئے تھا کیونکہ جس طرح حضرت امیرالمومنینؑ کے دادا جناب عبدالمطلب کو عرب پر دائمی احسان کا فخر حاصل ہوا ۔ اسی طرح آپ کے نانا جناب اسد کو بھی بے مثل و نظیر کرم کا موقع ملنا ضروری تھا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوالائمہ افضل الاوصیا رجناب امیرالمومنین ایسے سید الکل کا نور انھیں دونوں بھائیوں کی اولاد (جناب ابوطالب وجناب فاطمہ بنت اسد) کے اتصال سے طالع ہوا ۔ پھر فضائل و کمالات پر صرف جناب عبدالمطلب ہی کیوں فائز ہوتے اور جناب اسد کو بھی ان میں سے حصہ کیوں نہیں ملتا ۔

جناب ہاشم کی وفات سنہ ۵۱۰ء میں ثابت ہوتی ہے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا) ۔ اس حساب سے جناب اسد جناب عبدالمطلب سے بڑے ہوئے ۔ اور چونکہ جناب عبدالمطلب کی ولادت سنہ ۵۰۰ء میں ثابت ہوتی ہے ۔ اس سبب سے جناب اسد کی ولادت اس سے قبل ہوئی ہوگی ۔ مگر جناب اسد کی عمر کم ہوئی اور وہ جناب عبدالمطلب سے بہت پہلے انتقال کر گئے ۔

جناب عبدالمطلب جناب ہاشم کے جلیل القدر صاحب زادے تھے جو عرب کے سردار اعظم مانے گئے ۔ آپ کی مادر گرامی بھی مدینہ کی نہایت معزز بیوی سلمےٰ تھیں جن کے شرف و عظمت کی حالت مورخین کے اقوال سے ثابت ہے علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے :۔ کانت لاتنکح الرجال لشرفھا فی قومھا حتی یشترطوا لھا ان امرھا بیدھا ۔ اذا کرھت رجلا فارقتہ ۔ سلمےٰ اپنی قوم میں بڑی عظمت و شرف کی بی بی تھیں اسی وجہ سے وہ کہتی تھیں کہ میں کسی شخص سے شادی نہیں کرونگی جب تک وہ لوگ یہ شرط نہ کرلیں کہ وہ مجھے میرے امور میں خود مختار رہنے دینگے کہ جب میں شوہر سے ناراض ہوجاؤں گی فوراً اوس کو چھوڑ دونگی (سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ ص ۹۵) اور علامہ حلبی نے لکھا ہے :۔ وتتزوج بنت علی شرط انھا لا تلد ولدا الا فی اھلھا ۔ جناب ہاشم نے سلمےٰ سے انکی اس شرط پر شادی کرلی کہ جب ان کے ہاں ولادت ہونے والی ہوگی تو وہ اپنے میکے چلی جایا کرینگی (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۶) ۔ فاضل معاصر دہلوی عربی کتابوں سے آپ کے حالات کا خلاصہ اس طرح لکھتے ہیں :" اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا ۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانۂ حیات لبریز ہوکر

چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا۔

عبدالمطلب کچھ عرصہ تک اپنی ماں کی آغوش محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن شعور کو پہونچے تو اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بچہ اپنے باپ کا فوٹو ہوتا ہے) کے مطابق تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کر لیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض ان خصوصیتوں کی وجہ سے جو اُن میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجاب الدعوۃ بھی تھے انھوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبداً غار حرا میں بیٹھے۔ سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا تو عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علحدہ ہو کر عالم خموشی میں خدا کے جلال و عظمت اور اُس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ ان کے دسترخوان سے پرندوں کے لئے کھانا اوٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا۔ اور اسی سے لوگ ان کو مُطْعِمُ الطَّیْر (پرندوں کے کھانا دینے والے) بھی کہا کرتے تھے۔ عبدالمطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا تھا۔ شیبہ اس لئے کہ عربی میں سفیدی سر کو شیب کہتے ہیں۔ اور الحمد اس لئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کو توقع تھی کہ یہ بڑھاپے کو پہونچیں گے اور لوگ ان کو حمد و ثنا کے ساتھ یاد کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبدالمطلب ایک سو چالیس برس کی عمر کو پہونچے اور اونکی کمال شرافت و سیادت اور قومی ہمدردی اور مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبرگیری کی وجہ سے اُس زمانہ کے لوگ اونھیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے رہے۔

ان کے عبدالمطلب کے ساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کی آغوش محبت میں رہے اور یہاں تک رہے کہ چلنے پھرنے۔ کھیلنے کودنے کے لائق ہو گئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ کے ایک وسیع میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اس طرف سے گزرتا ہوا ذرا کی ذرا دم لینے اور ان بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا۔ بچے نہایت آزادی

فرار اڈیٹر النجم | مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کے لئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ہر

فتح الرحمان | اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا قیمت ہر

فتح مبین | اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کا مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہوجانے کا دلچسپ تذکرہ ہے قیمت ہر

فتح القدیر | اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جا کر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے قیمت ۴ر

قول کریم | ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے۔ جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ آج تک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب نہ ہو سکا۔ قیمت مر

معراج شہادة | شہادة حضرت امام حسینؑ کے متعلق جناب مہاراجہ سید عترت احمد صاحب وکیل گیا مصنف کتاب نور ایمان کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے قیمت ۲ر

آل و اصحاب | اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا ان لوگوں نے امانت رسولؐ سے کس درجہ بے رخی کی۔ واقعہ کربلا کے وقت کتنے صحابی موجود تھے مگر انھوں نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے۔ نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا | فرقہ اہل قرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اس کے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کرکے ثابت کر دیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل قرآن کو بھی مان لینا پڑا۔ قیمت ہر

اسلامی خدا | توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کر کے واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت مر

نورانی مجالس | خدا کے فضل سے گھر گھر مجلسیں ہونے لگیں مگر افسوس حدیث کی ایسی کوئی کتاب نہ ملتی تھی جو

چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا۔

عبدالمطلب کچھ عرصہ تک اپنی ماں کی آغوش محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن شعور کو پہونچے تو اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ (بچہ اپنے باپ کا فوٹو ہوتا ہے) کے مطابق تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کر لیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض ان خصوصیتوں کی وجہ سے جو اُن میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجاب الدعوۃ بھی تھے انھوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبداً غار حرا میں بیٹھے۔ سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا تو عبدالمطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں ... ہو کر عالم خموشی میں ... کے جلال و عظمت اور اُس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ ان کے دستر خوان سے پرندوں کے لئے کھانا اوٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا۔ اور اسی سے لوگ ان کو مُطْعِمُ الطَّیْرِ (پرندوں کے کھانا دینے والے) بھی کہا کرتے تھے۔ عبدالمطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا تھا۔ شیبہ اس لئے کہ عربی میں سفید سی سر کو شیب کہتے ہیں۔ اور الحمد اس لئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کو توقع تھی کہ یہ بڑھاپے کو پہونچیں گے اور لوگ ان کو حمد و ثنا کے ساتھ یاد کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبدالمطلب ایک سو چالیس برس کی عمر کو پہونچے اور اونکی کمال شرافت و سیادت اور قومی ہمدردی اور مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبر گیری کی وجہ سے اُس زمانہ کے لوگ اونھیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کے ساتھ یاد کرتے رہے۔

ان کے عبدالمطلب کے ساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کی آغوش محبت میں رہے اور یہاں تک رہے کہ چلنے پھرنے۔ کھیلنے کودنے کے لائق ہو گئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینے کے ایک وسیع میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اس طرف سے گزرتا ہوا ذرا کی ذرا دم لینے اور ان بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا۔ بچے نہایت آزادی

فرار اڈیٹر النجم مولوی عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ کا جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ مدیر رسالہ اصلاح سے مناظرہ کے لئے آنا اور بغیر مناظرہ شرمناک فرار اختیار کرنا قابل دید ہے قیمت ۴ر

فتح الرحمان اڈیٹر النجم کا دوبارہ مولانا ممدوح سے مناظرہ کی ہمت کرنا اور فرار کرنا قیمت ۴ر

فتح مبین اس رسالہ میں بھی اڈیٹر النجم کا مناظرہ سے فرار کرنے اور ضلع سارن کے مشہور عالم اہلسنت مولوی حکیم فتح محمد صاحب کے شیعہ ہوجانے کا دلچسپ ذکر ہے قیمت ۴ر

فتح القدیر اڈیٹر النجم نے بمبئی میں جا کر شیعوں سے جو مناظرہ کیا اس پر مفصل تبصرہ قابل دید ہے قیمت ۴ر

قول کریم ایک سنی عالم کا اڈیٹر النجم پر اعتراض کہ خود اہلسنت کی کتابیں تحریف قرآن کے مضامین سے بھری ہیں پھر تم کیوں شیعوں پر اعتراض کرتے ہو۔ قابل دید ذخیرہ ہے جس میں پوری تحقیق و جامعیت سے ثابت کردیا گیا ہے کہ اہلسنت تحریف قرآن کے قائل ہیں اور ان کی کتابوں سے قرآن کی تحریف اس طرح واضح ہے کہ کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آج تک اڈیٹر النجم سے بھی اس کا جواب ہوسکا۔ قیمت ۵ر

معراج شہادۃ شہادۃ حضرت امام حسینؑ کے متعلق خانبہادر سید خیرات احمد صاحب وکیل گیا و مصنف کتاب نور ایمان کا زبردست رسالہ بہت دلچسپ مفید اور بصیرت افروز ہے قیمت ۲ر

آل و اصحاب اس رسالہ میں دکھایا ہے کہ اہلبیت طاہرینؑ کے ساتھ صحابہ رسولؐ کا سلوک کیسا تھا ان لوگوں نے امانت رسولؐ سے کس درجہ بے رخی کی۔ واقعہ کربلا کے وقت کتنے صحابی موجود تھے مگر انھوں نے ذرہ برابر ادھر توجہ نہیں کی۔ حالانکہ اگر وہ مدد کرتے تو امام مظلوم شہید نہ ہوتے۔ نہایت مفید اسلامی تاریخی تحقیقات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت ۱۲ر

وضو میں پاؤں پر مسح کرنا فرقہ اہل قرآن نے جو پنجاب میں پیدا ہوا ہے قرآن مجید سے دکھانا چاہا تھا کہ وضو میں پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ اس کے جواب میں دفتر اصلاح سے امتحان اہل قرآن و قول فیصل شائع کرکے ثابت کردیا گیا کہ قرآن مجید وضو میں پاؤں پر مسح کرنے ہی کا حکم دیتا ہے۔ اس تحقیق سے یہ رسالے لکھے گئے کہ اہل قرآن کو بھی مان لینا پڑا۔ قیمت ۴ر

اسلامی خدا توحید خدا کو آیات قرآن مجید سے بہت مفصل اور جامعیت سے ثابت کرکے واضح کردیا ہے کہ جس طرح اسلام خدا کی توحید سکھاتا ہے دنیا کا کوئی فرقہ نہیں سکھا سکتا۔ قیمت ۵ر

نورانی مجالس خدا کے فضل سے گھر گھر مجلسیں ہونے لگیں مگر افسوس حدیث کی ایسی کوئی کتاب نہیں ملتی تھی جو

خاص عورتوں کے پڑھنے کے لئے لکھی گئی ہو اور جسمیں عقائد فضائل اور مذہبی معلومات کے ساتھ ساتھ سیح اعتمادات
اور صحیح روایتوں کا عام فہم مطلب بیان کیا گیا ہو۔ انھیں ضرورتوں کو پوری کرنے کے لئے جناب مولانا السید علی حیدر
صاحب قبلہ دام برکاتہم نے مجالس خاتون لکھی جسکی پہلی جلد میں ۳۰ مجلسیں محرم میں پڑھنے کی درج کی ہیں اور آخر
میں دردناک نوحے بھی ایسے درج کردیئے ہیں کہ مجلس میں بیبیاں سنکر تڑپ جاتی ہیں اور نہایت زور سے گریہ وبکا
ہوتا ہے۔ قیمت فی جلد عمہ تیسری جلد میں از ربیع الاول سے آخر ذی الحجہ تک جس قدر خوشی کی تاریخیں
ہیں اون کے لئے محفل کے مضامین اور جس قدر غم کی تاریخیں ہیں اونکے لئے مجالس کے مضامین نہایت
مفید درج کردیئے ہیں۔ خوشی کی محفلوں کے لئے بہت عمدہ قصیدے اور غم کی مجلسوں کے لئے دردناک
نوحے بھی نہایت موثر جمع کئے ہیں۔ قیمت عہ جلد منگایئے ورنہ پھر افسوس کیجیے گا۔ آپکی لڑکیوں
اور بہنوں کے لئے بہترین تحفہ اور بے مثل مذہبی زیور ہے۔

مشعل ہدایت جناب حاجی سید اظہار حسنین صاحب بی۔اے مجسٹریٹ پنشنر کجھوا کی مشہور اور زبردست تحقیقی کتاب جسمیں دکھایا ہے کہ خدا اپنے کلام پاک میں رسول اور اونکے آل واصحاب
کے لئے کیا فرماتا ہے اور قرآن مجید سے آل اطہار کا کیا پایہ ہے اور کس مرتبہ پر فائز ہیں اور ان تمام خلایق
کی موجودگی میں امت پر کس کی پیروی اور کس حد تک فرض ہے۔ غرض بہت ہی قابل قدر کتاب ہے بحیثیت
مجسٹریٹ آپ نے سنی شیعہ اختلافات کا فیصلہ بھی کمال انصاف سے کیا ہے۔ حجم ۴۱۲ صفحہ قیمت عہ

ہاضوم نفخ۔ قراقر۔ پیچش۔ اسہال اور بدہضمی وغیرہ میں مفید ہے۔ قبض کا دافع ہے بھوک
بڑھاتا ہے۔ درد شکم اور درد حوالی گردہ کو زائل کرتا ہے۔ ورم جگر اور ورم طحال کا
محلل ہے اور غذا کو صحیح طور سے ہضم کرکے خون صالح بننے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ قیمت فی شیشی
۸ر علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ حکیم محمد سید بشیر صاحب ڈاکخانہ حسن پورہ ضلع سارن

تنقید بخاری حضرت حجۃ الاسلام فخر الحکماء اعلی اللہ مقامہ کی وہ مشہور تحقیقی کتاب ہے۔
جس میں صحیح بخاری کی دھجیاں اڑا دی گئیں اور جس کا جواب لکھنے کے لئے
اہلحدیث کانفرنس نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کیا مگر کچھ بھی نہ کرسکی۔ اسکی پہلی دوسری جلد مدت دراز
سے نہیں ملتی۔ ہم دوبارہ چھپوانا چاہتے ہیں۔ درخواستیں جلد اس پتہ پر آئیں۔
سید موسے کاظم صاحب کجھوا (صوبہ بہار)

(سید غازی الدین حیدر نے مطبع اصلاح کجھوا میں چھپوا کر شائع کیا)

[illegible]

نمبر ۴	ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۶ھ	جلد ۱۴

مدیر

جناب مولانا السید علی حیدر صاحب قبلہ دام برکاتہم

مقام اشاعت

کھجوا (صوبہ بہار)

چندہ سالانہ قسم اول پانچ روپیہ

چندہ سالانہ قسم دوم تین روپیہ

یہ بڑی مصیبت ہے کہ ہمدرداں اصلاح اپنے پرچوں کی حفاظت نہیں کرتے اور سال ختم ہونے پر جب ان سے کتاب کے اوراق نکال کر جلد بندھوانے کا ارادہ ہوتا ہے اور کئی کئی نمبر غائب پاتے ہیں تو دفتر میں شکایت کرتے ہیں کہ فلاں فلاں نمبر ہم کو نہیں ملے۔ ان کے بغیر سوانح عمری مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایسے حضرات کو خیال کرنا چاہیئے کہ دفتر ان نمبروں کو مکرر کیونکر روانہ کر سکتا ہے بغیر سوانح عمری کے لئے کسی طرح پچھلے نمبر روانہ کر دیئے جاتے ہیں مگر آئندہ کے لئے کل حضرات سے التماس ہے کہ رسالہ جس وقت پہونچے پڑھکر اپنے صندوق یا الماری میں قفل لگا کر بند کر دیا کریں۔ اور جب آخر سال میں تاریخ ائمہ ختم ہو جائے تو ہر نمبر سے اس کے اوراق نکال کر جلد بندھوالیں۔ کل حضرات اس کا خیال رکھیں کہ ایک نمبر پہونچنے پر اگر دفتر میں شکایت آ جائیگی کہ قبل کا نمبر نہیں ملا تو دفتر اس کو مکرر روانہ کر دے گا لیکن اگر چار یا پانچ نمبر کے بعد قبل کا پرچہ طلب کیا جائیگا تو اسکی قیمت فی نمبر ۸ آنے پر وہ بھیجا جائیگا۔ مثلاً نمبر ۳ پہونچنے پر اگر کوئی صاحب خبر دیں کہ نمبر ۲ نہیں ملا تو مکرر بغیر قیمت بھیج دیا جائیگا۔ لیکن اگر نمبر ۵ پہونچنے پر خط آیا کہ نمبر ۱ و نمبر ۳ نہیں ملا تھا تو دونوں کی قیمت عہ پہونچنے پر دونوں مکرر بھیجے جائیں گے۔ پس آپ حضرات اپنے پرچوں کی حفاظت کیا کریں۔ دیکھنے کے بعد کسی جگہ لاپروائی سے نہ چھوڑ دیں کہ دوسرے لوگ لیجائیں۔ یہ رسالہ اس قدر نہیں چھپتا کہ ناظرین کو سو دو سو پرچے مکرر جایا کریں۔

۵۵ و ۵۶ ہجری کا چندہ جن حضرات نے ابتک نہیں بھیجا وہ فوراً منی آرڈر سے روانہ کر دیں۔ ورنہ آئندہ نمبر بذریعہ وی پی جائیگا جس میں ۳ پیسہ زائد خرچ ہو جائیگا۔ بہت حضرات وی پی پہونچنے پر شکایت کرتے ہیں کہ وی پی کیوں بھیج دیا۔ خط لکھ کر چندہ کیوں نہیں طلب کیا۔ ان حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ دفتر میں اتنے محرر نہیں ہیں کہ ہر شخص کو طلب چندہ کا خط لکھیں اور نہ اتنا مال ہے کہ اس کے لئے پوسٹ کارڈ خرید ا جائے۔ آپ حضرات اس اطلاع کو کارڈ کی خبر تصور کر کے فوراً چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں نہایت شکر گزار ہونگا کہ وی پی بھیجنا ایک مصیبت بھی ہے۔

کاغذ کی مصیبت بہت بڑھتی جاتی ہے۔ قیمت میں اس قدر اضافہ ہو گیا کہ دوسرے اخبارات نے اپنا چندہ بڑھا دیا۔ اب اصلاح کیا کرے؟ اگر آپ حضرات صرف دو جدید خریدار عنایت فرمائیں تو بغیر چندے میں اضافہ کئے رسالہ آسانی سے شائع ہو سکتا ہے۔

تاریخ ائمہ جو مومنین حضرات ائمہ طاہرین کی معرفت نیز حالات جاننا چاہتے ہیں وہ جلد اصلاح کے خریدار ہو جائیں ورنہ تاریخ ائمہ کے طبع ثانی کا انتظار بھی انکے لئے افسوسناک ہوگا۔

نمبر ۴ ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۶ھ جلد ۱۴

الحمدللہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے اصلاح ماہ ربیع الثانی کو بھی جلد شائع کرا کے اسی ماہ میں ناظرین تک پہونچا دیا۔ گزشتہ تینوں ماہ کا رسالہ بہت تاخیر سے شائع ہوا۔ جس کا ہمیں بھی کمال صدمہ ہے۔ مگر ہم بھی مجبور تھے۔ ہم نے وقت پر شائع کرنے میں کوئی کوشش اوٹھا نہیں رکھی لیکن جو امر اپنے اختیار میں نہ ہو اوس کو کیونکر انجام دے سکتے خصوصاً جب ہماری صحت ہی درست نہ ہو اور ضعف قلب کی وجہ سے کام ہی نہ ہو سکے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ خداوند عالم اپنے فضل و کرم سے ایسا سامان فرما دے کہ آیندہ بھی ہر ماہ کا رسالہ اصلاح اوسی مہینہ میں ناظرین تک پہونچ جایا کرے۔ اور خدا اِس قدر قوت بھی مرحمت فرمائے کہ ماہ رجب سے خلیفہ دوم کی سوانح عمری بھی اس کے ساتھ شائع ہونے لگے اور ایسا اچھا انتظام بھی کرا دے کہ ہمدردانِ اصلاح کو دفتر اب سے کسی قسم کی شکایت نہ پیدا ہو۔ ہمدردان دین و ملت اور مشتاقان علوم و معارف بھی جلد توجہ فرمائیں تاکہ دو معین مصنف کے حق المحنت کا انتظام بھی ہو جائے اور وہ ضروری کتابیں بھی منگالی جائیں جن کے آنے پر اس سوانح عمری کی اشاعت موقوف ہے۔ اگر ۹۹ حضرات اب بھی دس دس روپیہ بھیج دیں اور اس کے عوض خلیفہ اول کی سوانح عمری مکمل قیمتی چار روپیہ کے دو دو نسخے اور تصویر عزا قیمتی ۲ کا ایک ایک نسخہ ہم سے منگالیں تو آسانی سے ہماری شرط پوری ہو جائے اور حضرت عمرؓ بھی شایع ہونے لگیں۔ تاریخ ائمہ اس ماہ میں بجائے ۱۶ صفحہ کے ۸ صفحہ شائع کی گئی ہے کیونکہ اس کو

ماہوار ۴۰ صفحہ دینے کا وعدہ تھا مگر محرم نمبر میں اس کے صرف ۲۴ صفحہ شائع ہوئے تھے۔ اس سبب سے اس نمبر کی کمی اِس نمبر میں پوری کر دی گئی۔ ناظرین اس بات کا خیال رکھیں کہ غزوات کے حالات خلیفہ اول کی سوانح عمری میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور اس تاریخ ائمہ میں بھی حضرت رسولخدا صلعم کے حالات کے ساتھ شایع ہو رہے ہیں اور یہ بمجبوری ہو رہا ہے۔ کیونکہ درحقیقت وہ حالات آنحضرت صلعم ہی کے ہیں۔ سال گزشتہ صرف یہ دکھانے کو کہ غزوات میں خلیفہ اول صاحب نے کیا کیا خدمتیں کیں۔ یہ چیزیں ذکر کی گئی تھیں۔ مگر انشاء اللہ چند صفحوں میں یہ مضامین ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد جناب امیر علیہ السلام کے حالات شایع ہونگے جو پہلے نہیں شایع ہوئے تھے۔ بکثرت ہمدردان اصلاح کے خطوط اور فرمائشیں بھی پڑی ہوئی ہیں۔ ہم اب تک انکی تعمیل نہ کر سکنے کی وجہ سے بہت شرمندہ ہیں۔ انشاء اللہ اب جلد سب کا جواب بھی جائیگا۔ ناظرین دعا فرمائیں کہ خداے کریم ہماری مجبوریوں کو دفع کرے اور اتنی قوت دے کہ یہ سب خدمات اچھی طرح انجام پا سکیں۔ اپنے ضعف قلب کی وجہ سے بھی ہم چاہتے ہیں کہ خلیفہ دوم کی سوانح عمری جلد از جلد شروع کر دی جائے کہ معلوم نہیں بعد میں اتنی قوت بھی ملے یا نہیں۔ مگر نہ تنہا اس کام کے انجام کر سکنے کی امید ہوتی ہے نہ بغیر مطلوبہ کتابوں کے مہیا ہوئے اسکی اشاعۃ زیادہ مفید ہو سکتی ہے۔ اس سبب سے آپ حضرات جلد دوم میں مصنف کے حق المحنت اور کتابوں کا انتظام کریں

ہندوستان میں ہمارے سیاسی حقوق

ہندوستان کا موجودہ دور جس طرح گزر رہا ہے مومنین ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ جس قوم کی تعداد زیادہ ہے اسی کو زیادہ حقوق مل رہے ہیں۔ اسی وجہ سے گاندھی جی نے اچھوت قوم کو ہندوؤں سے علحدہ کرنے پر اتنا رنج ظاہر کیا کہ گویا خودکشی تک کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ایسی حالت میں شیعوں کا فرض ہے کہ اپنی تعداد زیادہ کرنے کی بھی کوشش کریں اور گورنمنٹ سے اپنے لئے خاص حقوق حاصل کرنے کی جد و جہد بھی کئے جائیں۔ تعداد زیادہ کرنے کی دو صورت ہے۔ ایک یہ کہ تین چار عورتوں سے ایک وقت میں نکاح اور متعہ کریں کہ خدا اور رسول نے اسی وجہ سے اسکی تاکید کی اور فرمایا تناکحوا تناسلوا تکثروا (تم لوگ کثرت سے نکاح کرو۔ اپنی نسل بڑھاؤ تاکہ تم زیادہ تعداد میں ہو جاؤ)۔ دوسری یہ کہ جس طرح قادیانی اور آریہ فرقہ کا ہر شخص اپنے مذہب کی تبلیغ میں لگا رہتا ہے اسی طرح ہر شیعہ اسکی کوشش کرے کہ خواہ وہ زمیندار ہو۔ ملازمت پیشہ ہو۔ وکیل ہو۔ بیرسٹر ہو۔ اپنے مذہب کی خوبیاں دوسروں کے ذہن نشین کرتا رہے۔ قادیانیوں اور آریوں کو اکثر

دیکھا جاتا ہے کہ بائسکل کی مرمت کر رہے ہیں مگر جو شخص مل جاتا ہے اوس سے اپنے مذہب کی فضیلت بھی بیان کرنے لگتے ہیں۔ کپڑا بیچ رہے ہیں اور اپنے دین کی تبلیغ میں باتیں کئے جا رہے ہیں۔ دکالت خانوں میں بیٹھے ہیں اور یہی ذکر رہے ہیں۔ ڈاکٹری شغل ہے مگر مریضوں سے مذہبی چھیڑ چھاڑ بھی خوبصورتی سے جاری ہے۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے مذہب کی ہر خوبی کو ہر شخص سے ہر وقت ذکر کرنا اور اپنی تعداد میں روز بروز اضافہ کرتے رہنے کی تمنا کرنی چاہیئے۔ اگر ہم اپنے مذہب کے کام کو اپنا کام سمجھیں۔ اگر اسکی ترقی کو اپنی ترقی خیال کریں اگر اسکی اشاعت کو اپنا فرض جانیں تو اپنے قیمتی اوقات میں اس کام کو بھی ضرور رکھیں۔ مومنین اس کا خیال رکھیں کہ مذہب حق کی اشاعت کے لئے حضرت رسولخدا صلعم نے کتنی اذیتیں اٹھائیں کتنی مصیبتیں برداشت کیں مگر کبھی اس سے منہ نہیں موڑا۔ حضرت امیر المومنینؑ نے اسی لئے آنحضرت صلعم کے کل جہادوں میں نمایاں حصہ لیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسی لئے اپنی اور اپنے اعزہ و اصحاب کی شہادت گوارا کی اور بقیہ ائمہ طاہرینؑ بھی برابر اسی میں مشغول رہے۔ پھر ہمارا بھی یہی فرض ہے اس لئے کہ کسی بزرگ کے پیرو ہونے کا مطلب یہی ہے کہ اسکی خدمات کو پسند اور عملاً اختیار کرے۔ یہ تو ہماری دینی خدمت ہوئی دنیوی فریضہ یہ ہے کہ ہر صوبہ کے ہر شہر میں شیعہ پولٹیکل کانفرنس کی شاخ قائم کی جائے۔ اور ہر ماہ اس میں جلسے کر کے اپنی ضرورتیں اس صوبہ کی گورنمنٹ پر ظاہر کی جائیں۔ ریزولیوشنوں کی نقل صرف ارکے ٹکٹ میں جایا کرے گی۔ لیکن ہر ماہ پابندی سے اپنے حقوق طلب کرنے۔ اپنی حاجات ظاہر کرنے۔ اپنی مصیبتیں بیان کرنے سے گورنمنٹ پر ضرور اثر ہوتا جائیگا اور خاموشی سے جس قدر نقصان ہم لوگ اوٹھاتے جاتے ہیں اس میں یقیناً کمی ہوگی۔

ہم لوگوں کو اپنی مالی حالت بڑھانے کی بھی خاص سعی کرنا نہایت ضروری ہے۔ اگر ہر فرد خواہ بوڑھا ہو یا جوان۔ مرد ہو یا عورت خود کچھ پیسہ پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اور یہ ذہن نشین کرے کہ کسی کام۔ کسی پیشہ۔ کسی شغل میں ذلت نہیں ہے بلکہ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ (خود محنت کر کے پیسہ پیدا کرنے والا خدا کا دوست ہو جاتا ہے) کے مطابق اسی میں عزت ہے تو ہم لوگوں کا افلاس بہت حد تک دور ہو سکتا ہے۔ اس وقت مارواڑی۔ پارسی قومیں کس درجہ خوش حال ہیں۔ اسی سبب سے تو کہ ان کا کوئی شخص بیکار نہیں ہے۔ سب کچھ نہ کچھ

پیدا کرتے رہتے ہیں ۔ ہم لوگوں میں جو زمیندار ہیں اب انکو بھی خود تجارت یا زراعت ۔ صنعت و حرفت یا معمولی مزدوری تک میں جلد از جلد مشغول ہو جانا چاہیئے ۔ اس لئے کہ سوشلزم کا معنے عوام کے ذہن میں یہی ہے کہ زمین کی لگان معاف ہو جائے اور جو کاشتکار جس زمین پر قابض ہے اس پر بغیر کسی مالگزاری کے تصرف رکھے ۔ اور ہر صوبہ کی اسمبلی کے ممبران بھی یہی کوشش کر رہے ہیں کہ کاشتکاروں کو قوت حاصل ہو اور زمینداروں سے انکے تعلقات کم ہوتے جائیں پس اگر ہم لوگوں میں اسی وقت سے محنت مشقت کر کے ہاتھ پاؤں چلانے ۔ دوکان کھولنے ۔ بنیا پن کرنے ۔ زمین کوڑنے کی صلاحیت نہیں پیدا ہوگی تو دفعتہً وہ وقت آجانے پر ہماری تباہی رکھی ہوئی ہے ۔ ہم جلد اپنی آنکھیں کھولیں ۔ سابق زمانہ کو بھول جائیں ۔ بالکل مزدور بن کر زندگی بسر کریں ۔ تب ہندوستان میں رہ سکتے ہیں ۔ ورنہ ہماری غلامی رکھی ہوئی ہے ۔ اور پھر سوائے کف افسوس ملنے کے ہم سے کچھ نہیں ہو سکے گا ۔ یقیناً ہمیں وہ عزت نہیں حاصل ہے جو ہمارے بزرگوں اور پیشوایان دین کو ملی تھی ۔ مگر کیا اُن لوگوں نے اپنے ہاتھ سے کسی کام کے کرنے میں شرم کی ؟ جناب رسولخدا صلعم کے پردادا حضرت ہاشم خود تجارت کے قافلے شام و یمن لے جایا کرتے ۔ پھر ہم کیوں تجارت کرنے سے شرم کریں ؟ حضرتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب نے خدا کے حکم پر اپنے ہاتھ سے زمین کوڑی اور کھود کر زمزم کا کنواں نکالا ۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے لئے قبر بھی کھودی ۔ پھر ہمیں زمین کوڑنے میں کیوں عار ہو ؟ حضرت رسولخدا صلعم جناب خدیجہ کا مال تجارت باہر لے جا کر فروخت کرتے تھے ۔ پھر ہمیں کاروباری زندگی اختیار کرنے سے کیوں حیا آئے ؟ جناب امیرؑ اپنے ہاتھ سے جوتی ٹانکتے تھے پھر ہمیں جوتا بنانے کا کام سیکھنے میں کیوں عذر ہو ؟ جناب سیدہ خود چکی پیستی تھیں ۔ پھر ہماری بہنوں کو چکی پیسکر کچھ پیدا کرنے میں کیوں تامل ہو ؟ جناب معصومہ اپنے ہاتھ سے اون کاتتی تھیں ۔ پھر ہماری لڑکیوں کو کپڑا سی کر ۔ چکن کاڑھ کر اپنی مالی حالت درست کرنا کیوں خلاف شان معلوم ہو ؟ فقط حیدر آغا جعفر

ایڈورڈ ہشتم اور خلیفہ مامون الرشید

ایڈورڈ ہشتم سابق بادشاہ انگلستان کی شادی مسز سمپسن سے ہو کر رہی ۔ معلوم ہوا کہ شادی کے بعد سابق بادشاہ اور انکی زوجہ محبوبہ شاٹو سے روانہ ہونے لگے تو انھوں نے موٹر میں گلاب کے پھول بہت کثرت سے رکھ لئے تھے ۔ جب کبھی راستے میں دیہاتیوں کی مبارکباد دینے والی جماعت سامنے آتی تو

اظہار شکریہ کے طور پر موٹر کی کھڑکی سے انکی طرف گلاب کے پھول پھینک دیئے جاتے تھے۔
اس پر ہم کو بنی عباس کے مشہور خلیفہ مامون الرشید کی شادی یاد آئی۔ اس کے حالات
بہت طویل ہیں مگر ہم صرف ایک کتاب سے اس کا مختصر حال نقل کرتے ہیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی
صاحب نعمانی لکھتے ہیں۔" مامون کی ایک شادی کی تقریب جس شوکت وشان سے ادا ہوئی وہ
اُس عہد کی مسرفانہ فیاضی اور حشمت و دولت کا سب سے بڑھا ہوا نمونہ ہے۔ عربی مورخوں کا
دعوے ہے کہ گزشتہ اور موجودہ زمانہ کوئی اوسکی نظیر نہیں لا سکتا۔ ہماری محدود واقفیت
میں اب تک کسی نے اُن کے اس فخریہ ادعا پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کی ہے۔ یہ خوش قسمت
لڑکی جس سے مامون کا نکاح ہوا حسن بن سہل کی بیٹی تھی جو فضل کے مرنے پر وزیر اعظم مقرر
ہوا تھا۔ اس لڑکی کا نام بوران تھا اور نہایت قابلہ اور تعلیم یافتہ تھی۔ مامون مع خاندان شاہی
وارکان و کل فوج و تمام افسران ملکی و خدام حسن کا مہمان ہوا اور برابر ۱۹ دن تک اس عظیم الشان بارات
کی ایسے فیاضانہ حوصلے سے مہمانداری کی گئی کہ ادنے سے ادنے آدمی نے بھی چند روزوں کے
لئے امیرانہ زندگی بسر کرلی۔ خاندان ہاشم و افسران فوج اور تمام عہدہ داران سلطنت پر مشک
و عنبر کی ہزاروں گولیاں نثار کی گئیں۔ جن پر کاغذ لپٹے ہوئے تھے اور ہر کاغذ پر نقد۔ لونڈی۔ غلام
املاک۔ خلعت۔ اسپ خاصہ۔ جاگیر وغیرہ کی ایک خاص تعداد لکھی ہوئی تھی۔ نثار کی عام لوٹ میں
یہ فیاضانہ حکم تھا کہ جس کے حصہ میں جو گولی آئے اوس میں جو کچھ لکھا ہو اوسی وقت وکیل المخزن سے دلا
دیا جائے۔ عام آدمیوں پر مشک و عنبر کی گولیاں اور درہم و دینار نثار کئے گئے۔ مامون کے لئے
ایک نہایت مکلف فرش بچھایا گیا جو سونے کے تاروں سے بُنا گیا تھا اور گوہر و یاقوت سے
مرصع تھا۔ مامون جب اُس پر جلوہ فرما ہوا تو بیش قیمت موتی اُس کے قدم پر نثار کئے گئے۔
جو زریں فرش پر بکھر کر نہایت دلاویز سماں دکھاتے تھے۔ مامون نے ابونواس کا یہ مشہور شعر پڑھا
اور کہا کہ ابونواس نے جو لکھا گویا یہ سماں اپنی آنکھوں سے دیکھکر لکھا ؎

كأن صغرى وكبرى من فواقعها ❊ حصباء در على ارض من الذهب

جام شراب کے چھوٹے بڑے بُلبلے ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا سونے کی زمین پر موتیوں کے
دانے ہیں۔ زفاف کی شب جب نوشہ اور دلھن ساتھ بیٹھے تو بوران کی دادی نے ہزار بیش بہا
موتی دونوں پر نچھاور کئے۔ اس تقریب کے تمام مصارف کا تخمینہ ۵ کروڑ درہم (آجکل کے حساب سے

ایک کروڑ روپیے ہوئے) کیا گیا ہے ... بوران کے نکاح میں ایک مفلس آدمی نے نمک اور اشنان کی دو تھیلیاں نذر بھیجیں اور خط میں لکھا کہ اگرچہ ناداری ہمت کو دبا دیتی ہے مگر میں نے یہ پسند نہ کیا کہ اہل کرم کی فہرست بند کر دی جائے اور میرا نام اُس میں نہ ہو۔ نمک کی برکت اور اشنان کی لطافت اس بات کے لئے کافی ہے کریں اُس کو حضور کی نذر کے لئے انتخاب کروں۔ مامون نے حکم دیا کہ دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر اوس کو واپس دی جائیں" (المامون صفحہ ۲۲)

ناظرین اصلاح کو حیرت ہوگی اور وہ ضرور کہیں گے کہ جس رسولؐ نے مرتے دم تک تمام عمر میں جو کی روٹی بھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی کیا اُس کے خلیفہ اور مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کو ایسا ہی ہونا چاہیئے؟

سید ظہیر حیدر مجہوئی مولوی عالم

لڑکیوں کا نصاب تعلیم

جناب محترم دام برکاتکم۔ السلام علیکم۔ ماہ صفر کے اصلاح میں "زنانہ کالج میں تعلیم کا اثر" مضمون پڑھکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایسی تعلیم سے تو اپنی لڑکیوں کا بالکل جاہل رکھنا اور انکو صرف گھر کے کام کرنے۔ جھاڑو دینے۔ مکان صاف رکھنے۔ کپڑا سینے۔ کھانا پکانے کا طریقہ بتانا بہتر معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا آپ کچھ ایسی مذہبی کتابوں کا نام بتا سکتے ہیں جو چھوٹی بچیوں یا لڑکیوں کو پڑھائی جاسکیں جن سے کم از کم انکی مذہبی تعلیم کچھ تو ہو جائے۔ تحفۃ العوام۔ تحفہ احمدیہ وغیرہ میں تو ہر سطر میں عربی فارسی کے ایسے مشکل الفاظ بھرے ہوئے ہیں جن کا سمجھنا مشکل اور لڑکیوں کا انکو یاد رکھنا دشوار ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کتابوں کے پڑھنے میں ان کا زیادہ دل بھی نہیں لگتا۔ چھوٹی چھوٹی کتابیں ایسی ہوں جن کو بچیاں ہنستی کھیلتی دیکھ لیا کریں اور خود سے ان کے پڑھنے میں ان کا جی لگے انجمن حمایت الاسلام لاہور میں بچیوں کے لئے کچھ کتابیں چھپی ہیں۔ کیا ایسی کتابیں ہمارے مذہب میں بھی کہیں مل سکتی ہیں۔ اگر ہوں تو ضرور ان کے پتے سے مطلع فرمائیں۔ دعاگو نظر عباس

اصلاح

افسوس ایسی آسان عام فہم اور دلچسپ کتابیں غالباً اب تک ہمارے مذہب کی نہیں شایع ہوئی ہیں۔ کوئی صاحب توجہ کریں کہ واقعاً ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے۔

خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی جواب دیں

جناب خواجہ صاحب! اسلام علیکم۔ اخبار شیعہ لاہور ۶ ربیع الثانی میں آپ کا مضمون "رسول کی دیا کرپا" شائع ہوا ہے جس میں آپ نے بار بار حضرت رسولخدا صلعم کی دوکان کا ذکر کیا ہے مثلاً "وہ مکہ شہر میں پیدا ہوئے اور مکہ کے بازار میں ان کی دوکان تھی ... وہ اپنی دوکان سے اتر کر اس

عورت کے پاس گئے۔ ایک دن اپنی دوکان پر بیٹھے تھے"۔ حضرت صلعم کا تجارت کرنا اور مال تجارت لے کر دوسرے ملکوں کا تجارتی سفر کرنا تو تمام کتابوں میں موجود ہے مگر اس کے لئے خاص دوکان رکھنا آپ نے کس کتاب میں دیکھا ہے اس سے مطلع فرمائیے تاکہ اس دوکان کے مفصل حالات معلوم ہوسکیں۔

آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث امرتسر کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے "میں آل نبی اور اولاد علی ہوں اور شیعہ میرے گھر کے غلام ہیں"۔ اس جملہ کا مطلب واضح طور پر لکھیئے۔ آپ آلِ نبی اور اولاد علی کس طرح ہیں۔ کیا آپ سید ہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہندوستان میں پانچ قسم کے سادات زیادہ پائے جاتے ہیں حسنی حسینی۔ زیدی۔ موسوی۔ رضوی۔ تقوی کیا آپ مطلع فرمائیں گے کہ آپ کون سید ہیں۔ پھر اس جملہ کا کیا مطلب کہ "شیعہ میرے گھر کے غلام ہیں"۔ شیعہ آپ کے گھر کے غلام کس طرح ہوگئے؟ اگر آپ کہیں کہ جو لوگ کسی خاندان کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں وہ اُس کے غلام ہوجاتے ہیں تو یہ خلاف عقل بات ہے۔ پھر آپ حضرت ابراہیمؑ کو بھی غلام کہہ دیجئے گا جن کے بارے میں قرآن مجید ارشاد کرتا ہے وان من شیعتہ لابراھیم یقیناً ان کے شیعہ حضرت ابراہیم بھی تھے۔ یہ بھی واضح رہے کہ شیعہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو نسبی طور پر سید ہیں۔ دوسرے وہ جو غیر سید ہیں۔ غیر سید خواہ شیعہ ہوں خواہ سنی بہر طور حضرت علی کے گھر کے غلام ہیں اور اس پر ان کو فخر ہے۔ لیکن جو شیعہ سید ہیں وہ آپ کے گھر کے غلام کس اصول پر ہوگئے۔ دنیا میں تو جس قدر سچے سید ہیں (اور وہ سید ہونے کا غلط دعوٰی نہیں کرتے) تقریباً کل شیعہ ہی ہیں۔ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ ایک گھر کے رہنے والے خود ہی مالک بھی ہوں اور خود ہی غلام بھی یہ بالکل موٹی بات ہے ذرا سمجھکر جواب عنایت فرمائیگا۔ فقط آغا جعفر کجھوی۔

تقریظ

(۱) **شمس الھدایۃ**:۔ ۲۸ صفحہ کا رسالہ مولفہ جناب مولوی سید محمد محسن صاحب زیدی شیعہ ینگ مین سوسائٹی سہارنپور نے شایع کیا ہے۔ جس میں مذہب اہلسنت کا باطل اور شیعہ کا حق ہونا ثابت اور اہلسنت کے رسالہ مشعل ہدایت کا اچھا جواب دیا گیا ہے۔ قیمت ۸؍ سیکڑا۔ ایک کاپی کی ۔؍ (۲) **تعقیبات پنجگانہ**:۔ بہت چھوٹی تقطیع کے ۱۶۰ صفحہ پر یہ رسالہ جناب مولوی سید ولی حیدر صاحب امروہوی نے شایع کیا ہے جو اس قابل ہے کہ ہر شخص آسانی سے جیب میں رکھے اور گھر پر یا سفر میں جب نماز پڑھے جیب سے نکال کر ہر نماز کے بعد کی تعقیبات (دعائیں) پڑھ لے

خواص اسماء حسنہ - دعائے طول عمر - دعائے ہر روزہ - دعائے وسعت رزق وغیرہ بھی ہیں مگر افسوس صحت کا پورا اہتمام نہیں کیا گیا - قیمت ۶ر ملنے کا پتا مرقوم نہیں ہے - (۳) رسالہ سید الشہداء عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے سے انکار کیا تھا ان کے تمام شبہات کا تسلی بخش اور زلزلہ افگن جواب اہلسنت کی کتابوں سے دیکر حضرت امام حسینؑ کے سید الشہداء ہونے کا مفصل ثبوت فاضل محترم جناب مولوی آغا سید مہدی صاحب لکھنوی نے اس ۴۶ صفحہ کے رسالہ میں دیا ہے اور ایک قابل قدر خدمت انجام دی ہے - خدا ممدوح کو جزائے خیر دے کہ بہت خوبی سے اس کتاب کو تالیف کیا ہے - قیمت صرف ۱ر عقب مسجد تحسین چوک لکھنؤ سے طلب کریں (۴) مسئلہ خلافت و امامت حصہ دوم - رسالہ نگار لکھنؤ نے ہر نام صاحب کا مضمون خلافۃ و امامۃ شائع کر کے حضرات اہلسنت میں ایک تلاطم بپا کر دیا ہے - اس مضمون کے جواب میں فاروق صاحب کانپوری نے رسالہ فاران بجنور میں ایک مضمون شایع کیا تھا - پھر جناب مولوی حسنی شاہ نظامی صاحب کا مضمون منادی دہلی میں شایع ہوا جو پہلے مضمون کا جواب ہے - پھر جلیل الرحمن صاحب اعظمی کا مضمون ہے جس میں مخصوص نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے اور وہ نگار کے ادارتی تبصرہ کے ساتھ درج ہوا ہے - پھر فاضل محترم و محقق مکرم جناب مولوی سید علی نقی صاحب دام مجدہ کا ایک گرانقدر مقالہ ہے - ان کل مضامین کو اس ۱۱۶ صفحہ کے رسالہ میں امامیہ مشن لکھنؤ نے شایع کر کے تبلیغ مذہب حق کی مفید خدمت انجام دی ہے - قیمت ۴ر (۵) مسئلہ خلافت و امامت حصہ سوم - نگار کے سلسلہ مضامین کا یہ سب سے آخری اور مکمل ترین مضمون ہے جو خود نگار میں شایع کیا گیا اور جس نے حقیقت کے ہر نقاب کو چاک بلکہ تار تار کر دیا ہے اور نہایت قابلیت سے خلافۃ بلافصل جناب امیرؑ پر مہر لگا دی ہے - یہ رسالہ بھی امامیہ مشن لکھنؤ سے صرف ۴ر پر طلب کیجئے - خدا اس ادارہ کو ترقی دے کہ نہایت مفید دینی خدمات انجام دے رہا ہے (۶) مشہد اعظم :- اس رسالہ میں ہز اکسلنسی راجہ سر کشن پرشاد مہا راجہ بہادر حیدر آباد دکن اور جناب مولوی حسنی شاہ صاحب نظامی حنفی حیدر آباد دکن کا ایک زبردست مضمون شہادت حضرت امام حسینؑ کی اہمیت کے متعلق شایع ہوا ہے - دونوں مضمون نہایت قابل قدر ہیں - قیمت ۱ر امامیہ مشن لکھنؤ سے طلب کریں (۷) قرآن مجید اور اقتصادیات کی تعلیم و تاکید - جناب خانبہادر سید اولاد حیدر صاحب فوق بلگرامی کواتھ ضلع آرا نے اس ۳۲ صفحہ کے رسالہ میں نہایت قابلیت سے یہ دکھایا ہے کہ قرآن مجید ہمیں کس طرح فضول خرچی سے روک کر میانہ روی بتاتی - آمدنی بڑھانے کے اصول اور خرچ کم کرنے کے فوائد سکھاتا ہے - بہت عمدہ - دلچسپ چھوٹا اور نہایت مفید رسالہ ہے ضرور منگائیے قیمت ۴ر

سنہ نبوی کا واقعہ ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ۱) شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب نے حضرت رسولخدا صلعم سے جو محبت بلکہ اولاد نثاری کی ہے اوسکی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں نہیں ملتی۔ اسی سے یہ واقعہ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ محرم سنہ بعثت میں جناب ابو طالب آنحضرت صلعم کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ اس شعب میں لے گئے تھے اور تین سال تک اس میں رہے۔ سال میں دو دفعہ (رجب اور ذی الحجہ میں) بنو ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے۔ اس قید نے ان بیچاروں پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی اذیات کے علاوہ رزق کی تنگی نے اور پریشان کر رکھا تھا۔ ناطے رشتے والے جو مخفی طور پر کوئی چیز بھیجتے اور کفار کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل اور فضیحت کئے جاتے۔ جناب ابو طالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرت کی حفاظت کی فکر تھی۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے وکان ابوطالب فی کل لیلۃ یأمر رسول اللہ ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس اقام وامر احد بنیہ او غیرھما من اخوتہ او بنی عمہ ان یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یغتالہ احد ممن یرید بہ السوء حضرت ابو طالب نے یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسولخداؐ سے فرماتے کہ میرے پاس میرے ہی فرش پر سو رہو۔ پھر جب سب لوگ سو جاتے تھے تو آپ حضرت کو اس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسولخداؐ کی جگہ سو رہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کر دے (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۳۴۲)

سبحان اللہ یہ اولاد نثاری! جناب ابو طالب کو خوف ہوتا کہ کسی دشمن نے حضرت رسولخداؐ کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہوگی۔ ممکن ہے وہ حضرتؐ پر اندھیری رات میں اسی جگہ کا انداز کر کے حملہ کر دے۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر آپ اس جگہ سے حضرتؐ کو اٹھا دیتے اور اپنے بیٹوں یا بھائیوں یا چچازاد بھائیوں سے کسی کو سلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھکر حملہ کرے گا تو حضرت رسولخدا صلعم وہاں سے ہٹ چکے ہونگے بچ جائیں گے اور آپ کا کوئی فرزند یا عزیز قتل ہو جائیگا۔ اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو حضرت رسولخداؐ پر فدا کرتے رہتے تھے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب قریش حضرت ابو طالب کے پاس بار

بار آکر واپس گئے اور آپ نے حضرت رسولخداؐ کو اونکے حوالہ نہیں کیا تو ان سب نے ایکا کرلیا کہ محمدؐ اور اون کے کل ساتھیوں کو پائمال کرڈالو۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ کے لوگ اپنے متعلقہ کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب پہونچاتے اور اون کے دین سے واپس لانے کے لئے ان کو فتنوں میں مبتلا کرتے ومنع اللہ رسولہ منہم بعمہ ابی طالب مگر خدا آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ سے برابر آپکی حفاظت کرتا رہا حضرت ابوطالب قسم کھا کر کہتے تھے ؎ واللہ لن یصلوا الیک بجمعہم ؛ حتے اوسد فی التراب دفینا ۔ فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ ؛ وابشر بذاک وقر منک عیونا خدا کی قسم اے محمدؐ جب تک میں زمین میں مدفون ہو کر غائب نہ ہوجاؤں اوس وقت تک یہ کفار سب کے سب ملکر کوشش کریں جب بھی تم تک پہونچ نہیں سکتے ۔ تم مطمئن ہو کر اپنے کام تبلیغ رسالت کو انجام دیتے رہو۔ تمہارا کچھ بھی کوئی شخص بگاڑ نہیں سکتا ۔ تم میرے اس وعدہ پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں کو خوشی سے ٹھنڈی رکھو (اسنی المطالب صـ۱ وابو الفدار جلد ۱ صـ۱۲۰ وطبری جلد ۲ صـ۲۲۰) ۔ اس شعب سے نکلنے کی بھی جو صورت ہوئی وہ جناب ابوطالب کے کمال ایمان کی دلیل ہے ۔ جب شعب میں تقریباً تین برس ہو گئے تو ایک روز حضرت رسولخدا صلعم نے جناب ابوطالب سے کہا اے چچا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ عہد نامہ قریش کے وہ تمام الفاظ جو ظلم اور قطع برادری پر مشتمل تھے کیڑوں نے کھا لئے اور اس میں سے صرف وہ ٹکڑا باقی رہ گیا ہے جس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا وکان ابوطالب لا یشک فی قولہ جناب ابوطالب کا یہ خیال تھا کہ حضرت رسولؐ جو خبر یا وحی بیان کرتے اس میں وہ برابر شک نہیں کرتے تھے ۔ یہ سنتے ہی اس پر بھی یقین کرلیا اور شعب سے نکلکر قریش کے پاس گئے اور کہا ۔ جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اوسے کیڑا کھا گیا ہے اور خدا کے نام کے سوا اس کا کوئی مضمون باقی نہیں رہا ۔ محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے ۔ اُس کاغذ کو منگا کر دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر صحیح ہو تو جان لو کہ تم سب ہم لوگوں پر ظلم اور قطع رحم کر رہے ہو۔ اور اگر انکی خبر جھوٹ نکلے تو ہم سب لوگ جان جائینگے کہ تم لوگ ہی حق پر ہو اور ہم لوگ باطل پر ہیں ۔ یہ سُنتے ہی سب کے سب جلدی کھڑے ہو گئے اور اس عہد نامہ کو اُتار لائے دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت رسولخدا صلعم نے جو فرمایا ہے بالکل صحیح ہے وقویت نفس ابی طالب واشتد صوتہ وقال قد تبین لکم انکم اولی بالظلم

والقطیعۃ فنکسوا رؤسھم۔ اب تو حضرت ابوطالب کا نفس خوب مضبوط ہوگیا انکی آواز میں بھی طاقت آگئی۔ کہنے لگے کیوں اب تو تم لوگوں پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اس معاملہ میں تم لوگ ہی ظلم وستم کرتے اور قطع رحمی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس پر اُن سب مخالفین نے اپنے اپنے سر جھکا لئے پھر اس عہد نامہ کو توڑنے پر آمادہ ہوگئے۔ اس واقعہ کے متعلق بھی جناب ابوطالب نے چند اشعار کہے ہیں جن سے چند یہ ہیں ؎

وقد کان فی امر الصحیفۃ عبرۃ ::: متی ما یخبر غائب القوم یعجب

محا اللہ منہم کفرھم وعقوقھم ::: وما نقموا من ناطق الحق معرب

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا ::: ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

کفار نے رسولؐ کے پریشان کرنے کے لئے جو عہد نامہ لکھا تھا اُس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ جو لوگ اس موقع پر غائب تھے جب وہ اس کا حال سنیں گے تو اونھیں کس درجہ تعجب ہوگا مخالفین کے کفر۔ قطع رحم اور ظلم وستم کو خدا نے بالکل واضح اور کھلے ہوئے حق سے کس طرح مٹا دیا۔ جس پر کفار کی باتیں بالکل باطل ہوگئیں۔ اور جو شخص ایسی بات گڑھیگا جو حق نہ ہو اوس کا جھوٹ اور مکر وفریب توکھل کر ہی رہے گا (تاریخ کامل جلد ۲ صـ ۳۳)

جب آپ کے بھائی جناب حمزہ مسلمان ہوئے تو جناب ابوطالب کو ایسی خوشی ہوئی کہ چند شعر کہہ ڈالے ؎

فصبرا ابا یعلے علے دین احمد ::: وکن مظہر اللدین وفقت صابرا

وحط من اتے بالدین من عند ربہ ::: بصدق وحق لا تکن حمز کافرا

فقد سرنی اذ قلت انک مؤمن ::: فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

وناد قریشا بالذی قد اتیتہ ::: جہارا وقل ما کان احمد ساحرا

اے حمزہ احمدؐ کے مذہب پر مضبوطی اور صبر سے قائم رہو بلکہ اس دین کو دوسروں پر بھی ظاہر کرتے رہو۔ خدا تم کو صبر کی توفیق دے اور جو شخص (محمدؐ) اپنے خدا کے ہاں سے سچائی اور حق کے ساتھ دین لایا ہے اسکی خوب حفاظت کرنا اور اے حمزہ کافر نہ ہوجانا۔ جب تم نے اپنے بارے میں مجھے خبر دی کہ مسلمان ہوگئے ہو تو مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ اب دیکھو اللہ کی خوشی کے لئے ان کی مدد بھی خوب کرتے رہنا۔ اور جس مذہب کو

تم نے قبول کیا ہے پکار کر اسکی خبر قریش کو کردو اور یہ بھی کہ دو کہ احمد جادو گر نہیں ہیں (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۱۵) جناب ابو طالب ہی کے یہ اشعار بھی ہیں

وخیر بنی ہاشم احمد ⁂ رسول الالہ علی فترۃ

بنی ہاشم میں سب سے افضل احمد ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول بنائے گئے۔

لقد اکرم اللہ النبی محمداً ⁂ فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

خدا نے اپنے نبی محمدؐ کو نہایت معزز کیا اس وجہ سے لوگوں میں سب سے افضل واشرف مخلوقات احمد ہی ہیں

یا شاہد اللہ علی فاشہد ⁂ انی علی دین النبی احمد من ضل فی الدین فانی مہتد

اے میرے متعلق اللہ کے گواہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر زمان احمدؐ کے دین پر ہوں۔ مذہب کے بارے میں جو گمراہ ہے ہوا کرے کیونکہ میں نے تو ہدایت اختیار کر لی (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۳۱۵)

انھیں خدمات واحسانات کو یاد کر کے علامہ ابن ابی الحدید نے بھی جناب ابو طالب کی شان میں کئی شعر کہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں

ولولا ابو طالب وابنہ ⁂ لما مثل الدین شخصاً فقاما

فذاک بمکۃ آوی وحامی ⁂ وہذا بیثرب جس الحماما

اگر ابو طالب اور اون کے فرزند (حضرت علی) نہ ہوتے تو مذہب (اسلام) نہ صورت پکڑتا نہ کھڑا ہوسکتا۔ اونھیں (ابو طالب) نے مکہ میں حضرت رسولؐ کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور انھوں (حضرت علی) نے مدینہ میں (اسلام کی اشاعت کے لئے) موت سے مقابلہ کیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۸) جو لوگ جناب ابو طالب کے ایمان میں شک وشبہ کرتے ہیں ان کے متعلق علامہ موصوف نے کیا خوب کہا ہے

وما ضر مجد ابی طالب ⁂ جہول لغا او بصیر تعامی

کما لا یضر آیات الصباح ⁂ من ظن ضوء النہار الظلاما

جس طرح وہ شخص جو دن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی نشانیوں کو نقصان نہیں پہونچا سکتا بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھے بن جانے سے حضرت ابو طالب کی شان گھٹ نہیں سکتی (شرح مذکور جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)۔ علامہ مذکور ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو طالب نے حضرت رسو لخدا

صلعم کو تلاش کیا۔ آپ نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپ کو پکڑ نہ لیا ہو۔ آپ فوراً اپنے تیسرے فرزند جعفر کو لے کر حضرتؐ کی تلاش میں نکلے۔ جا کر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسولؐ اور حضرت علی کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابوطالب نے جناب جعفر سے کہا تقدم وصل جناح ابن عمک۔ آگے بڑھو اور تم بھی رسولؐ کے پیچھے ملکر نماز پڑھ لو۔ اس طرح جب تینوں بزرگ نماز پڑھنے لگے تو ابوطالب یہ منظر دیکھکر خوشی سے روئے اور کہا ؎

ان علیا وجعفرا ثقتی ؛ عند ملم الخطوب و النوب

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما ؛ اخی لامی من بینہم وابی

واللہ لا اخذل النبی ولا ؛ یخذلہ من بنیّ ذو حسب

یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں۔ اے فرزندو تم لوگ اپنے ابن عم (حضرت رسولؐ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا بلکہ انکی مدد کرتے رہنا تمہارے چچا (حضرت رسولؐ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ ان کے باپ میرے باپ اور انکی ماں میری ماں تھیں۔ خدا کی قسم میں بھی رسول کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ میرے بیٹوں سے کوئی شریف اور سعید فرزند ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے (کتاب مذکور ص۲۷۳) ۔ ؎۱ غرض مرتے وقت تک جناب ابوطالب نے حضرت رسوخدا

؎۱ حضرت رسوخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے فریفتہ رہتے تھے۔ آپ کے لڑکپن کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک روز حضرت ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوئی تو ابولہب نے آپ کو گرا دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ حضرت رسوخدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے ساتھ تھے یہ دیکھکر آپ نے فوراً ابولہب کی زلفیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس پر ابولہب نے کہا میں بھی تمہارا چچا ہوں اور یہ بھی تمہارے چچا ہیں۔ پھر میرے مقابلہ میں تم انکی مدد کیوں کی؟ آپ نے فرمایا تم سے زیادہ مجھے یہ (جناب ابوطالب) محبوب ہیں (خصائص کبریٰ علامہ سیوطی ص۸) مگر آنحضرت صلعم جناب ابوطالب کو صرف اس وجہ سے زیادہ دوست رکھتے تھے کہ جناب ابوطالب بھی حضرت رسوخداؐ کی طرح خدا کے مطیع بندے تھے اور مکارم اخلاق کے اعلےٰ درجہ پر فائز تھے ۱۲

صلعم کی بہترین خدمت - تربیت اور حمایت کی اور تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے اسکی ذرہ برابر بھی پروا نہیں کی۔ نہ رسول کا کبھی ساتھ چھوڑا۔ شعب سے نکلے ہوئے ابھی آپ کو ۸ مہینہ سے کچھ ہی دن زیادہ ہوئے تھے کہ جناب ابوطالب نے نصف ماہ شوال یا ذیقعدہ ۱۰ بعثت میں انتقال کیا۔ آپ کی عمر بھی ۸۰ سال سے زیادہ ہو چکی تھی۔ وفات کے قریب آپ نے سرداران قریش کو بلایا (اپنے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں کو جمع کیا) اور ان سب سے حضرت رسولؐ کے متعلق وصیتیں کیں۔ کہا قریش والو! میں تم سے محمدؐ (رسول خدا) کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق مشہور ہیں اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ وہ خدا کی طرف سے یقیناً ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل (حق اور درست) مانتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اپنی بدنامی کے خوف سے زبان سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں... پس اے قریش والو تم سب ان کے پیرو اور والی اور ان کے کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص بھی ان کے مذہب پر چلیگا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا - اور جو شخص انکی ہدایت قبول کرلے گا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائیگا اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور موت مجھے مہلت دیتی تو میں ہمیشہ اُن سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع کرتا رہتا اور انکی آفتوں کو زائل کرتا رہتا۔ حضرت رسولخدا صلعم کی حمایت کے علاوہ اور وصیتیں بھی آپ نے ان لوگوں سے کیں۔ اس خانہ کعبہ کی تم لوگ ہمیشہ تعظیم کرتے رہنا کہ اس سے خدا خوش رہے گا۔ تم لوگ صلہ رحم بھی کرتے رہنا اور خبردار قطع رحمی نہ کرنا کیونکہ صلہ رحم کرنے سے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کی خود بھی قوت بڑھتی ہے۔ اور ظلم زیادتی بزرگوں کی نافرمانی۔ بغاوت ہرگز نہ کرنا کہ تم سے پہلے انھیں خرابیوں کی وجہ سے کتنی قومیں برباد ہو گئیں۔ جو شخص کسی ضرورت سے تم کو بلائے اوس کے لئے ضرور جانا اور جو سائل کچھ مانگے اوس کو ضرور دینا کیونکہ ان دونوں خوبیوں میں زندگی کا شرف بھی ہے اور موت کی عزت بھی اس کا بھی خیال رکھنا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اور لوگوں کی امانتیں ادا کیا کرو کہ ان باتوں سے خاص لوگ تم سے محبت اور عام لوگ تمہاری عزت کرینگے - اس کے بعد انتقال کر گئے - آپ کو غسل دیا گیا۔ کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصول کے مطابق آپ دفن کئے گئے جب آپ کا جنازہ

(عمر ابوطالب ۸۵ سال)

اوٹھایا گیا تو حضرت رسولخدا صلعم جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔ روتے اور فرماتے تھے اے چچا آپ نے اپنی قرابت کا پورا حق ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے (تاریخ خمیس جلد ا ص ۳۳۹ و سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۳۵۲)۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اپنے انتقال کے وقت جناب عبد المطلب کے خاندان والوں کو بلا بھیجا اور کہا جب تک تم لوگ محمدؐ کی بات سنتے اور انکی پیروی کرتے رہوگے اوس وقت تک خیر ہی پر رہوگے۔ لہٰذا تم لوگ انکی اطاعت کرو تاکہ بھلائی حاصل کرو (سیرۃ حلبیہ جلد ا ص ۳۵۲) اس سے زیادہ ایمان ابو طالب کی کیا دلیل چاہیئے؟

جناب ابو طالب کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ آپکا نام ابو طالب ہی تھا۔ بعض عبد مناف اور بعض عمران کہتے ہیں (عمدۃ الطالب ص ۵ و اصابہ جلد ۷ ص ۱۱۲)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسولخدا کے آباء و اجداد بھی بہشت میں ہوں گے اور عبد المطلب بہشت میں اس طرح جائیں گے کہ ان میں انبیاء کا نور اور بادشاہوں کا جمال روشن ہوگا اور ابو طالب بھی اسی زمرہ میں ہوں گے (اصابہ جلد ۷ ص ۱۱۵) جناب ابو طالب کے انتقال کا صدمہ حضرت رسولخدا صلعم کو اس درجہ ہوا کہ اوس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج و مصیبت کا سال) رکھا۔ آپ کے بعد آنحضرتؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ اور کفار قریش نے نہایت سخت یورش کی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابو طالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ سال بڑے تھے ... ابو طالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اونھوں نے ابو طالب کے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اُٹھ گئے ... ابو طالب اور خدیجہ کے اوٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؟ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے (سیرۃ النبیؐ جلد ا ص ۱۸۲)۔

عباس بن عبد المطلب حضرت رسولخدا صلعم کے چچا تھے۔ انکی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم سے دو یا تین برس بڑے تھے۔ "آپ ہجرت کے قبل اسلام لاچکے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو چھپاتے تھے"[۱] (اسد الغابہ اردو ترجمہ جلد ۵ ص ۱۴۹)۔ کچھ دنوں کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے حضرت رسولخدا صلعم کے پاس چلے گئے اور آپکے

---

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؐ کے چچا بھی تقیہ پر عمل کرتے تھے ۱۲

ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں بھی شریک تھے۔ آپ بہت ہی صائب الرائے اور عقلمند تھے۔ ایک دفعہ آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ قریش آپس میں ملتے ہیں تو بہت ہی کشادہ پیشانی سے اور جب ہم سے ملتے ہیں تو منہ بنا لیتے ہیں۔ اس پہ آنحضرتؐ بھی غصہ میں آگئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور ان سے فرمایا خدا کی قسم ہرگز کسی شخص کے قلب میں ایمان نہ داخل ہوگا جب تک آپ لوگوں سے اللہ اور رسولؐ کے لئے محبت نہ کرے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عباس تم لوگوں کے نبی کے چچا ہیں۔ قریش میں سب سے زیادہ سخی ہیں اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ آپ کی یہ جلالت تھی کہ ایک دفعہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں قحط پڑا تو انھوں نے حضرت عباس کا واسطہ دلا کر پانی برسنے کی دعا مانگی جس پر اللہ نے خوب پانی برسایا کہ زمین سرسبز ہوگئی اس پر خلیفہ دوم نے کہا کہ واللہ یہ خدا کی طرف پہونچانے کے لئے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہیں صحابہ آپکی بزرگی کی قدر کرتے اور ان کو ہر کام میں مقدم سمجھتے ان سے مشورے لیتے اور انکی رائے پر عمل کرتے تھے۔ ان کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ ۱۲ رجب ۳۲ھ (غالباً ۶۵۲ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کئے گئے۔ آپکی عمر ۸۸ سال کی ہوئی۔ قد لانبا اور بدن خوبصورت تھا۔ آپ نے سترہ غلام آزاد کئے تھے۔

جناب حمزہؓ حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے اور حضرت رسولخداؐ کے چچا تھے۔ انکی ماں ہالہ بنت وہیب (حضرت آمنہ مادر حضرت رسولخدا صلعم کی چچا زاد بہن) تھیں اس طرح آپ آنحضرت صلعم کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور آپ کو اور آنحضرتؐ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا اس وجہ سے آپ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ آپ حضرت رسولخدا سے دو برس بڑے - قریش میں بڑے باعزت اور غیرت دار تھے۔ بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے آنحضرتؐ کو بہت ستایا اور گالیاں دیں۔ اس وقت جناب حمزہ شکار کو گئے تھے۔ واپس آئے تو ایک لونڈی نے ابوجہل کے ستانے کا واقعہ کہہ دیا۔ یہ سنکر جناب حمزہؓ کو غصہ آگیا سیدھے ابوجہل کے پاس پہونچے زور سے کمان کھینچ ماری اور اچھی طرح زخمی کر دیا اور اوسی وقت اپنے اسلام کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے سے قریش نے سمجھ لیا کہ رسولخداؐ کی قوت اب بڑھ گئی اور وہ

زیادہ محفوظ ہو گئے۔ پس وہ اپنی بعض حرکتوں سے باز آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کو ہجرت کی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور بڑے نمایاں کام کئے۔ شیبہ کو لڑ کر قتل کیا۔ عتبہ کے قتل میں یہ اور حضرت علیؑ شریک تھے۔ طعیمہ کو بھی قتل کیا۔ آپ اپنے جھنڈے میں شتر مرغ کے پر لگایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں رسولؐ کے سامنے دونوں ہاتھ میں تلوار لیکر جنگ کی۔ پھر آپ غزوۂ احد میں شریک ہوئے جس میں ۳۱ کافروں کو قتل کیا تھا۔ ناگاہ اسی حالت میں ان کا پاؤں پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑے۔ اور زرہ ان کے پیٹ سے ہٹ گئی پس وحشی نامی ایک حبشی نے نیزہ مار کر آپ کو بتاریخ ۵ / شوال ۳ ہجری (۶۲۵ء) شہید کر دیا۔ پھر کافروں نے آپ کے بدن کا مثلہ کیا۔ ہند (معویہ کی ماں) نے جناب حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا جگر نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اس واقعہ سے آنحضرت کو نہایت صدمہ ہوا۔ آپ کی لاش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بے شک آپ بڑے صلہ رحم اور بہت نیکی کرنے والے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کو مقتول دیکھا تو بہت روئے اور جب یہ دیکھا کہ آپ کے ساتھ مثلہ کیا گیا ہے تو آپ چلائے اور فرمایا کہ اگر صفیہ (جناب حمزہ کی بہن) رنجیدہ نہ ہوتیں تو میں انھیں اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ یہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے حشر کے دن نکلتے۔ جب نبیؐ مدینہ لوٹ کر آئے تو آپ نے سنا کہ شہداے انصار کے لئے عورتیں رو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا افسوس حمزہ کے لئے کوئی رونے والا نہیں ہے۔ انصار نے جو اس کو سنا تو انھوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے شہیدوں سے پہلے حضرت حمزہ کے لئے روئیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا [۱] واقدی نے لکھا ہے کہ اب تک برابر زنان انصار مرثیوں میں حضرت حمزہ سے ابتدا کرتی ہیں (ترجمہ اسد الغابہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۶۵) شہادت کے

---

[۱] حضرت امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کے جائز ہونے کی ایک یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے کہ خود حضرت رسولخداؐ نے اپنے شہید چچا پر لوگوں کے رونے کی آرزو کی اور جب آپ پر نوحہ و ماتم کیا گیا تو آپ کا دل مطمئن ہوا۔ پھر اس زمانہ میں جو لوگ امام حسینؑ کے رونے پر اعتراض کرتے ہیں وہ بحقیقت حضرت رسولخداؐ پر معترض ہوتے ہیں بلکہ خدا پر طعن

وقت جناب حمزہ کی عمر ستاون برس کی تھی۔ ان کے جنازہ پر حضرت رسولخداؐ نے نماز پڑھی جناب حمزہ حضرت رسولخداؐ سے روایت کرتے تھے کہ حضورؐ نے فرمایا ہر دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو:۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ بِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ ... الْاَکْبَر۔ جب معویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نہر کھدوائی تو لوگ اپنے احد کے شہیدوں کے لئے چلائے کیونکہ اس نہر میں ان شہیدوں کی قبریں کھدتی تھیں۔ افسوس معویہ والے ان شہیدوں کی قبروں کو بہت بے باکی سے کھود رہے تھے یہ واقعہ شروع سنہ ۴۰ ہجری کا ہے۔ اسی میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا اور اُس سے خون کی چھینٹیں اُڑیں (شہداء چونکہ زندہ رہتے ہیں لہذا زندوں کی طرح ان کے جسم میں بھی خون رہتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے) (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ صہ ۶۸ و اصابہ جلد ۲ صہ ۳۷)

طالب حضرت ابوطالب کے سب سے بڑے لڑکے اور جناب امیرؑ کے سب سے بڑے بھائی تھے انھیں کے نام سے جناب ابوطالب کی کنیت یہ (طالب کے باپ) ہوئی۔ افسوس عام کتابوں میں ان کا حال نہیں ملتا۔ بڑی مشکل سے دو تین کتابوں میں مختصر ذکر مل سکا۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب عقیل۔ جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے سے دس برس چھوٹا تھا۔ ان سب نے اولاد چھوڑی سوا طالب کے کہ کسی کو نہیں چھوڑا (معارف صہ ۳۹) اور جناب سید جمال الدین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب عقیل۔ جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے بھائی سے دس سال چھوٹے تھے۔ اس طرح جناب طالب حضرت علیؑ سے تیس سال چھوٹے تھے۔ انھیں کی وجہ سے آپ کے باپ کی کنیت ابوطالب (طالب کے باپ) ہوئی۔ ان چاروں فرزندوں کی ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں اور یہ پہلی ہاشمی بیوی تھیں جن سے ہاشمی فرزند سب سے اول پیدا ہوئے۔ طالب مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ جب غزوہ بدر ہوا تو قریش نے ان کو بھی

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۲۱) کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت رسولخدا صلعم تو جو فرماتے یا کرتے وہ خدا ہی کے حکم اور وحی سے۔ پس حضرت حمزہ پر رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی خواہش بھی آپ نے خدا ہی کے حکم سے کی۔ اگر یہ بات خدا کو پسند نہیں ہوتی تو ہر گز آنحضرت اسکی آرزو نہیں کرتے ۱۲

اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے مگر راستے ہی سے گم ہو گئے اور پھر انکی کوئی خبر نہیں ملی۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑائے ہوئے سمندر کی طرف چلے گئے جس میں ڈوب گئے اور انکی اولاد کوئی نہیں ہے (عمدۃ الطالب ص۱۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کی چھ اولاد تھیں چار بیٹے۔ طالب عقیل جعفر اور حضرت علیؑ۔ اور دو بیٹیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ ان سب کی ماں فاطمہ بنت اسد تھیں۔ طالب غزوۂ بدر میں مر گئے۔ جب مکہ کے مشرکوں نے آپ کو مجبور کر کے مسلمانوں سے لڑنے کو بھیجا (تاریخ خمیس جلد اص۱۸۴) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ قریش کے کافروں نے طالب ابن ابی طالب کو غزوۂ بدر میں مجبور کر کے لڑنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ گئے مگر پھر انکی کوئی خبر نہیں ملی۔ البتہ ان کا یہ کلام اب تک محفوظ ہے ؎

یا رب اما خرجوا بطالب ⁘ فی مقنب من تلکم المقانب

فاجعلھم المغلوب غیر الغالب ⁘ والرجل المسلوب غیر السالب

اے خدا اگر یہ لوگ طالب کو زبردستی اپنی فوج کے ساتھ لے جاتے ہیں تو انکو تو شکست دے اور فتح نہ دے اور ان کو اس درجہ کمزور کر دے کہ یہ خوب لٹے جائیں اور کسی کو لوٹ نہ سکیں۔

(مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ ص۱۲۶) اس سے معلوم ہوا کہ جناب طالب بھی دل سے ایمان رکھتے اور قریش کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے اور یہی تقیہ ہے۔ حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی سال پیدا ہوئے تھے جس سال (یعنی ۵۷۰ء میں) حضرت رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

جناب عقیل حضرت ابوطالب کے دوسرے فرزند جناب امیر علیہ السلام سے بیس سال بڑے تھے۔ آپکی ولادت (غالباً) ۵۹۰ء میں ہوئی تھی۔ آپ حضرت رسولخدا صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ آپ سے حضرت رسولخدا صلعم فرماتے تھے کہ میں تم کو دو محبتوں کی وجہ سے بہت زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ ایک تو خاندانی قرابت کی وجہ سے کہ تم میرے چچازاد بھائی ہو۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میرے چچا حضرت ابوطالب تم کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ آپ کو بھی مکہ کے مشرکوں نے مجبور کر کے غزوۂ بدر میں بھیجا تھا جس میں آپ قید کر لئے گئے تو آپ کے چچا جناب عباس نے اپنے پاس سے

آپ کا فدیہ دیکر چھڑایا۔ پھر واقعہ حدیبیہ کے قبل اپنا اسلام ظاہر اور اس کا اعلان کرکے
ششہ ہجری میں آپ مدینہ آ گئے تھے حضرتؐ کے ساتھ غزوہ موتہ میں شریک تھے
وہاں سے واپسی کے بعد آپ بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے فتح مکہ و غزوہ حنین و طائف میں آپکا
کوئی ذکر نہیں سنا گیا۔ نبی صلعم نے آپ کو خیبر میں ہر سال کے لئے ایک سو چالیس وسق
(جو عرب کا ایک وزن ہے) غلہ عنایت کیا تھا۔ حنین کے واقعہ میں آپ اُن لوگوں میں تھے جو
حضرت رسولخدا صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور حضرت کو چھوڑ کر صحابہ کی طرح نہیں بھاگے۔
آپ ایسے حاضر جواب تھے کہ مخالف کی فوراً زبان بند ہو جاتی تھی۔ آپ میں بہت سی نیک
خصلتیں تھیں۔ آپ قریش کے نسب اور وقائع کو خود قریش سے بہت زیادہ جانتے تھے
اسی وجہ سے قریش آپ سے خاص دشمنی رکھتے تھے۔ کیونکہ آپ ان کے نسب کی اصلی اور
پتے کی باتیں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بوریا تھا جو آپ کے لئے
رسولخدا کی مسجد میں بچھا دیا جاتا تھا۔ لوگ نسب اور واقعات عرب کے معلومات حاصل
کرنے کی غرض سے آپ کے پاس کثرت سے پہونچا کرتے اور اسی سبب سے لوگ آپ کو دشمن بھی
رکھتے۔ اور آپ کے حق میں غلط باتیں کہتے اور آپ کی باتوں کو اس سبب سے حماقت کی طرف
منسوب کرتے اور آپ پر جھوٹی باتوں کا افترا باندھتے اور ان باتوں کا موقع اس وجہ سے اور
زیادہ ملا کہ آپ حضرت علیؑ سے (بضرورت) جدا ہو کر معویہ کے پاس شام چلے گئے تھے۔ آپکے
شام جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے تو حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں
آئے۔ حضرتؑ نے آپ کو بہت عزت اور محبت سے اُتارا اور اپنے بڑے صاحبزادے
امام حسنؑ کو حکم دیا کہ اپنے چچا کو نئے کپڑے پہنا دیں۔ چنانچہ آپ کو نئے کپڑے پہنا دیئے گئے پھر
جب شام ہوئی تو حضرتؑ نے آپ کو شب کے کھانے کے لئے بلایا۔ آئے تو دیکھا کہ کھانے کو
صرف روٹی نمک اور ترکاری تھی۔ اس پر جناب عقیل نے کہا کہ جس کو میں خیال کرتا ہوں وہی ہے؟
حضرت علیؑ نے کہا نہیں تو۔ پھر جناب عقیل نے کہا کہ آپ میرا قرض ادا کر دیجئے۔ حضرتؑ نے پوچھا
آپ کا قرض کس قدر ہے۔ کہا چالیس ہزار۔ حضرتؑ نے فرمایا اس قدر مال میرے پاس نہیں
ہے لیکن اس وقت تک صبر کیجئے کہ جو وظیفہ ملتا ہے مل جائے۔ جناب عقیل نے کہا کہ آپ بیت المال
کے مالک ہیں اور مجھکو وظیفہ کے انتظار میں ڈالتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا آپ مجھکو حکم

دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کرکے آپ کو دے دوں۔ حالانکہ ان لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے۔ اس پر جناب عقیل نے کہا اچھا مجھکو معویہ کے پاس جانے کی اجازت ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں۔ چنانچہ آپ معویہ کے پاس چلے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶)

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ عقیل کو بیت المال سے دو درم روز ملا کرتے تھے چاہا کہ کچھ اضافہ ہو جائے تو فراغت سے بسر ہو کچھ کھانا تیار کرکے علی مرتضیٰؑ کی دعوت کی اور عرض کیا کہ نہایت تنگی اور افلاس سے بسر ہوتی ہے کچھ وظیفہ زیادہ کر دیجئے۔ فرمایا میری دعوت کا سر انجام کیونکر کیا؟ عرض کی کئی دفعہ ڈیڑھ درم خرچ کرکے آدھا آدھا درم جمع کرکے بندوبست کیا ہے۔ فرمایا بس تو تم کو ڈیڑھ ہی درم کافی ہے۔ تنگی کی شکایت ناحق کرتے ہو۔ جب عقیل نے بہت اصرار کیا تو علی مرتضیٰؑ نے عقیل سے پوشیدہ چراغ پر لوہے کو گرم کیا اور اچانک عقیل کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عقیل نے مضطرب ہو کر کہا۔ بھائی تم نے میرا ہاتھ کیوں جلا دیا؟ جناب امیرؑ نے فرمایا کہ جب تم اتنی سی آگ کی برداشت نہیں کر سکتے تو تم کو کیونکر گوارا ہو سکتا ہے کہ میں حقوق اہل اسلام میں سے تمہارے حصہ سے زیادہ دیکر نار عقبےٰ میں گرفتار ہوں اور صواعق محرقہ میں ہے کہ علی مرتضیٰؑ نے ایک شخص سے کہا کہ عقیل کو بازار میں لے جاؤ تاکہ کسی دوکان کا قفل توڑ کر اس میں سے مال نکال لیویں۔ عقیل نے کہا آپ مجھکو چور بنانا چاہتے ہیں۔ علی مرتضیٰؑ نے کہا یہی حال میرا ہو اگر میں مسلمانوں کا مال تم کو دوں اور ان کو نہ دوں۔ اس پر عقیل ناراض ہو کر معویہ کے پاس دمشق چلے گئے۔ معویہ نے جناب عقیل کی بہت تعظیم و تکریم کی اور کمال تواضع سے پیش آیا۔ بروایت ابن قتیبہ ۳ لاکھ اشرفیاں دے دیں۔ اور ایک مجمع میں جس میں اشراف و اعیان حاضر تھے کہا کہ عقیل وہ شخص ہیں کہ ان کو ابوطالب (ان کے باپ) علی پر ترجیح دیا کرتے تھے۔ جناب عقیل نے کہا اے معویہ یہ غلط ہے۔ مور ضعیف کو سلیمان سے اور سہا کو مہر انور سے کیا نسبت ہے۔ کہاں ذرہ حقیر کہاں مہر منیر۔ انصاف کر جب ہم تم بت پرستی کرتے تھے تو علیؑ نماز پڑھتے اور جہاد کرتے تھے میرا آنا تیرے پاس صرف مزخرفات دنیوی کے سبب سے ہے۔ اگر مثوبات اخروی کا خیال کرتا تو ان حضرتؑ کی خدمت سے ہرگز جدا نہ ہوتا۔ القصہ اس معاملہ میں عقیل اور معویہ کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے۔ یہ سنہ ۳۹ ہجری کا واقعہ ہے" (حبیب السیر از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳) "ایک روز معویہ نے ان کے متعلق کہا کہ یہ ابو یزید اگر یہ نہ جانتے کہ میں ان کے لئے بہتر ہوں ان کے بھائی

سے تو یہ ہمارے پاس نہ رہتے۔ عقیل نے کہا کہ میرا بھائی میرے دین کے لئے میرے واسطے بہتر ہے اور تم میری دنیا کے لئے میرے واسطے بہتر ہو۔ تمہارے ذریعہ سے میری دنیا تو بن گئی مگر میری عاقبت کی خدا ہی خیر کرے اور اللہ سے بذریعہ اس کے احسان کے خیریت خاتمہ کو چاہتا ہوں۔
جب یہ معویہ کے پاس پہونچے تو اوس نے کہا اے ابو یزید تم علی اور اُن کے اصحاب کو کیسا چھوڑ آئے ہو۔ کہا علی کے اصحاب بالکل حضرت رسولخدا صلعم کے اصحاب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان میں حضرت رسولخدا صلعم موجود نہیں ہیں اور تمہارے اصحاب سب وہی ہیں جو (رسول کے مخالف) ابوسفیان کے اصحاب تھے۔ صرف ابوسفیان تم لوگوں میں نہیں ہے۔ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو معویہ اپنے تخت پر بیٹھا اور جناب عقیل کو اپنے تخت کے پہلو میں کرسی بر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر سب لوگوں کو آنے کا حکم دیا۔ لوگ آنے لگے۔ ضحاک بن قیس آکر معویہ کے ساتھ اسی تخت پر بیٹھا۔ پھر جناب عقیل کو اون دیا وہ بھی اوس کے پاس آئے اور پوچھا اے معویہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ معویہ نے کہا ضحاک بن قیس۔ عقیل نے کہا الحمد للہ جس نے کمینگی کو دور کیا اور عیب کو پورا کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا باپ ہماری .. موشیوں کو مقام ابطح میں خصی کیا کرتا تھا۔ اس فن میں وہ خوب مہارت رکھتا تھا۔ ضحاک نے کہا بے شک میں قریش کی خوبیوں کا عالم ہوں اور عقیل قریش کے معائب کے۔ معویہ نے انکو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ اونھوں نے لئے اور لوٹ آئے۔
جناب عقیل نے ایک دفعہ نکاح کیا تو کسی نے بطور مبارک باد کہا بالرِّفَاءِ وَالْبَنِیْنَ (تمہارا جوڑا ملا رہے بیٹے پیدا ہوں) انھوں نے کہا یہ نہ کہو۔ نبیؐ نے اس سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ کہو بَارَکَ اللّٰہُ لَکُمْ وَبَارَکَ عَلَیْکُمْ (اللہ تمہارے لئے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے) حضرت عقیل کی وفات معویہ کی خلافت میں ہوئی (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ ص ۲۸۷)۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یزید کی خلافت کے شروع میں عقیل کا انتقال ہوا (اصابہ جلد ۴ ص ۲۵۵) اور علامہ دیاربکری نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل نے حضرت علیؑ کے پاس کوفہ میں آکر اپنی ضرورت ظاہر کی تو حضرتؑ نے فرمایا ان احببت ان اکتب لک الی مالی بینبع فاعطیتک منہ اگر آپ پسند کیجئے تو میں آپ کو ایک تحریر لکھدوں کہ میرے ینبع کے مال سے آپ کو دے دیا جائے (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۶۵) مگر جناب عقیل نے اس کو کم سمجھا اور معویہ کے پاس چلے گئے۔ جناب عقیل نے معویہ کی خلافت میں انتقال کیا مگر خاص سال انتقال کا پتا نہیں ملتا (رر) علامہ سیوطی نے لکھا ہے۔ استب عقیل بن

ابی طالب و ابو بکر دکان ابو بکر سبابا۔ ایک دفعہ حضرت عقیل اور حضرت ابو بکر میں گالی بکنے کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابو بکر سب سے زیادہ گالی بکنے والے نکلے (تاریخ الخلفاء ص ۳۷)
علامہ ابن حجۃ الحموی نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل معویہ کے ہاں گئے تو اوس نے آپکی بڑی آؤ بھگت کی۔ ایک روز یہ بھی کہا کہ اے عقیل میں تمہارے لئے تمہارے بھائی علی سے بہتر ہوں جناب عقیل نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ میرے بھائی نے اپنی دنیا کے مقابلہ میں اپنی آخرت کی حفاظت کی لیکن تم اپنی آخرت پر لات مار کر اپنی دنیا ہی بنانے کی فکر میں رہتے ہو (اسی وجہ سے مسلمانوں کا اتنا مال مجھے دے دیا تاکہ میں تمہارا طرف دار ہو جاؤں)
اوسی زمانہ میں ایک دفعہ اور آپ معویہ کے ہاں گئے تو معویہ نے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا جناب عقیل کی بینائی جا چکی تھی۔ اس پر معویہ نے چوٹ کی کہ تم لوگوں یعنی بنو ہاشم کی بصارت (آنکھ کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے۔ جناب عقیل نے کہا اے معویہ اور تم لوگوں یعنی بنو امیہ کی بصیرت (دل کی روشنی) جلد جاتی رہتی ہے[۱]۔ حضرت عقیل کے چچا ابولہب کی شادی معویہ کی پھوپی حمالۃ الحطب سے ہوئی تھی۔ اس پر بھی ایک لطیفہ ہوا۔ ایک روز جناب عقیل معویہ کے ہاں گئے تو اوس نے کہا یہ عقیل ہیں۔ انھیں کا چچا ابولہب تھا۔ جناب عقیل نے برجستہ کہا اور یہ معویہ ہیں انھیں کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔ اس کے بعد فرمایا اے معویہ جب تم جہنم میں جانا تو بائیں طرف مڑ کر دیکھنا کہ میرے چچا (ابولہب) تمہاری پھوپھی حمالۃ الحطب کے ساتھ... اس وقت غور کرنا کہ ان دونوں میں جو فاعل ہے وہ بہتر ہے یا جو مفعول ہے وہ اچھی ہے۔ ایک دفعہ معویہ نے ان سے کہا بنو ہاشم کے مردوں میں شہوت کس قدر غالب رہتی ہے۔ آپ نے برجستہ کہا ہاں مگر بنو امیہ کی عورتوں میں تو اور زیادہ تیز رہتی ہے (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد ۱ ص ۱۱۵) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جناب عقیل نے بزمانہ خلافت معویہ ۵۰ ہجری (سنہ پچاس) میں انتقال کیا اس وقت انکی عمر ۹۶ سال کی تھی۔ آپکا مدینہ میں ایک گھر تھا جو مشہور تھا۔ آخر عمر میں آپکی آنکھ کی روشنی جاتی رہی تھی۔ آپ بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب عقیل حضرت

[۱] جناب عقیل کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم لوگ صرف دنیا میں نابینا ہو جاتے ہیں اور ہماری آخرۃ بنی رہتی ہے مگر بنی امیہ دل کے اندھے ہو کر ایمان ہی کھو بیٹھتے ہیں ۱۲

علیؑ کی زندگی میں معویہ کے ہاں گئے تھے یا حضرتؑ کے شہید ہونے کے بعد۔ ایک جماعت اسکی قائل ہے کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جناب عقیل وہاں گئے تھے وھذا القول ھوالاظہر عندی۔ یہی قول میرے خیال میں بھی زیادہ صحیح ہے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ ص۸۲) علامہ مذکور نے اسکی زبردست دلیلیں دیکر اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ جناب عقیل حضرت علیؑ کے رہتے معویہ کے ہاں نہیں گئے بلکہ آپ کے بعد گئے ہیں۔

جناب جعفرؑ حضرت ابوطالب کے تیسرے فرزند تھے جو جناب امیرؑ سے دس سال بڑے تھے "آپ جعفر طیار کے لقب سے مشہور ہیں۔ سیرت اور صورت میں حضرت رسولخدا صلعم سے بہت مشابہ تھے۔ اپنے بھائی حضرت علیؑ کے اسلام سے کچھ ہی پیچھے اسلام لائے۔ جناب ابوطالب نے ایک مرتبہ نبیؐ اور علیؑ کو دیکھا کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں علی آپ کی داہنی طرف ہیں تو ابوطالب نے کہا کہ تم بھی اپنے چچا کے بیٹے کے پہلو میں نماز پڑھو اور تم انکی بائیں طرف کھڑے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ ۳۱ آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور خود ۳۲ ویں شخص تھے۔ انھوں نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک ہجرت حبش کیطرف اور دوسری ہجرت مدینہ کی طرف۔ رسولخداؐ انکو ابوالمساکین کہا کرتے تھے۔ جب انھوں نے حبش کیطرف ہجرت کی تو وہاں بخاشی کے پاس رہے یہاں تک کہ جب رسولخداؐ فتح خیبر کے بعد لوٹے تو یہ حبش سے واپس ہوکر رسولخداؐ سے ملے۔ حضرتؐ نے انھیں لپٹالیا اور انکی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ دیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے اس وقت کس بات کی زیادہ خوشی ہے آیا جعفر کے آنے کی یا فتح خیبر کی۔ انھیں رسولخداؐ نے مسجد کے پہلو میں رہنے کی جگہ دی ... رسولخداؐ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر کو دیکھا کہ وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ دوڑ رہے تھے ... ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جعفر مسکینوں کے لئے سب سے زیادہ اچھے تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لے جاتے اور جو کچھ انکے گھر میں ہوتا مجھے کھلاتے یہاں تک کہ وہ اوس خالی کپی کو اوٹھالاتے تھے جس میں گھی یا چربی رہتی تھی ہم اس کپی کو پھاڑ ڈالتے اور جو کچھ اس میں ہوتا اوس کو چاٹ لیتے تھے ... رسولخدا صلعم نے جمادی الاولے ۸ھ ہجری میں غزوہ موتہ کے لئے لشکر بھیجا۔ غزوہ موتہ میں بہت سخت لڑائی ہوئی یہاں تک کہ زید بن حارثہ شہید ہوگئے۔ ان کے بعد جعفر طیار نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہوگئے۔ ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ واللہ میں گویا اب بھی جعفر کی طرف

دیکھ رہا ہوں جب وہ غزوہ موتہ میں اپنے گھوڑے سے گرے اور اونھوں نے غصہ میں اُس گھوڑے کے پیر کاٹ ڈالے۔ بعد اس کے آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اسلام میں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے گھوڑے کے پیر کاٹے۔ جب لڑائی ہو رہی تھی تو جعفر کے دونوں ہاتھ کٹ گئے اور جھنڈا انھیں کے پاس رہا۔ انھوں نے اس کو پھینکا نہیں بلکہ اس کو دانتوں سے پکڑ لیا۔ رسولخداؐ فرماتے تھے کہ اس کے عوض اللہ نے انھیں دو پر دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ جب یہ شہید ہو گئے تو ستّر سے کچھ اوپر زخم تلوار اور نیزہ کے ان کے بدن میں دیکھے گئے۔ یہ سب زخم ان کے سامنے والے حصہ جسم میں تھے۔ جب یہ لوگ شہید ہوئے تو رسولخداؐ نے فرمایا مجھے اس وقت جبریل سے یہ خبر ملی ہے کہ اب لشکر کا جھنڈا زید بن حارثہ نے لیا اور وہ لڑے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر جعفر نے لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے... بعد اس کے فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ پھر ان سب لوگوں کو جنت میں اٹھا لے گئے... آپکی زوجہ اسمار بنت عمیس کہتی تھیں جب جعفر اور ان کے اصحاب شہید ہو گئے تو رسولخداؐ میرے پاس تشریف لائے۔ میں آٹا گوندھ چکی تھی اپنے بیٹوں کو نہلایا ان کے سر میں تیل ڈالا اور انھیں صاف کپڑے پہنائے تھے پس رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ۔ میں انکو لے آئی۔ رسولؐ نے ان کو پیار کیا اور آپکے دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے عرض کی یارسولؐ اللہ میری ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روتے ہیں کیا جعفر کی کوئی خبر ملی ہے؟ فرمایا ہاں آج وہ شہید ہو گئے۔ پس میں بے اختیار اوٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ اس پر عورتیں جمع ہو گئیں اور رسولخداؐ اپنے گھر لوٹ گئے اور آپ نے امہات المومنین سے فرمایا کہ جعفر کے گھر کی خبر رکھنا کیونکہ وہ لوگ آج مصیبت میں گرفتار ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں جب جعفر کی وفات کی خبر آئی تو ہم نے رسولخداؐ کے چہرے میں سخت رنج دیکھا اور مروی ہے کہ رسولخداؐ کو جب جعفر کی شہادت کی خبر ملی تو آپ انکی بی بی اسمار بنت عمیس کے پاس تشریف لے گئے اور جعفر کی تعزیت کی اور حضرت سیدۃ النسار فاطمہ زہرا بھی روتی ہوئی تشریف لے گئیں اور کہتی تھیں وا عماہ (ہائے میرے چچا) تو رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے۔ رسولخداؐ کو اس واقعہ سے بہت ہی سخت رنج ہوا یہاں تک کہ جبریل آپ کے پاس آئے اور آپکو خبر دی کہ جعفر کو دو خون آلود بازو دیئے گئے ہیں جن سے وہ

فرشتوں کے ساتھ اُڑتے پھرتے ہیں۔ عبد اللہ بن جعفر کہتے تھے جب میں اپنے چچا امیر المومنین حضرت علیؑ سے کچھ مانگتا تھا اور وہ مجھے نہ دیتے تھے تو میں کہتا تھا بحق جعفر مجھے دے دیجئے بس فوراً مجھے دے دیتے تھے۔ حضرت جعفر کی عمر جب وہ شہید ہوئے اکتالیس برس کی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) جناب جعفر کی شہادت پر آنحضرتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا بھیجا جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں کھانے پکانے کی فرصت نہیں ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) لہ

جناب جعفر کے آٹھ بیٹے عبد اللہ عون۔ محمد الاکبر۔ محمد الاصغر۔ حمید۔ حسین اور عبد اللہ الاصغر ہوئے ان سب کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ بڑے بیٹے عبد اللہ کی شادی حضرت امیر المومنینؑ کی بڑی بیٹی جناب زینبؑ سے اور دوسرے بیٹے عون کی شادی جناب امیر المومنینؑ کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؑ سے ہوئی تھی۔ جناب جعفر فقیروں کو بہت زیادہ دوست رکھتے۔ انکے پاس جا کر اکثر بیٹھا کرتے اور انکی ہر قسم کی خدمت کیا کرتے اس کے ساتھ آپکی شجاعت کی یہ حالت تھی کہ غزوہ موتہ میں آپ کے جسم میں نیزے اور تلوار کے نوّے سے زیادہ زخم لگے تھے۔ مگر آپ نے منہ نہیں موڑا۔ جناب جعفر کی شہادت پر لوگوں نے آپ کے بہت سے مرثیے جن کے نقل کرنے میں طول ہوگا۔

لہ مذکورہ بالا حالات سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں (۱) کسی شہید کی شہادت کا ذکر کرکے رونا جائز بلکہ پیروی رسول ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم خود جناب جعفر کی شہادت ذکر کرتے اور روتے جاتے تھے۔ اور جناب سیدہ سے آپ کا فرمانا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے ثابت کرتا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ میں شہید ہو اس پر رونے کی تاکید رسولخدؐا نے فرمادی ہے۔ پس شہدا کربلا پر مسلمانوں کا رونا بھی قول رسولؐ کی پیروی اور اس پر اعتراض کرنا غلطی ہے (۲) شہید پر نوحہ کرنا واویلا وغیرہ کہنا بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ خود جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جناب سیدہ یا عماہ یا عماہ کہکر روتی رہیں اور آنحضرت صلعم نے اس کو منع نہیں فرمایا (۳) اہل عزا کے گھر کھانا بھجوانے کی رسم جو بعض مقامات پر رائج ہے غالباً یہ بھی حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی پیروی ہے جو بہترین اخلاقی تعلیم تھی۔

حضرت رسولِ خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ ولادت

حضرت قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم سے تھے ۔ والد کا نام جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام جناب آمنہ بنت وہب تھا۔ آپکی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے اور آج تک مسلمان اس کو بھی طے نہیں کر سکے کہ حضرت کس تاریخ کو پیدا ہوئے ۔ کوئی ۸ ربیع الاول کہتا ہے کوئی ۱۲۔ کوئی ۱۷۔ کوئی ۹ ربیع الاول ۔ اہلسنت میں زیادہ مشہور ۱۲ ربیع الاول اور شیعوں میں گویا طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول عام الفیل ہے مگر مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے " تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپکی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی " (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۴)

حضرتؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔ پہلے آنحضرت کو آپکی والدہ نے پھر ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرتؐ کے پیدا ہونے سے پہلے اور دوسری کے موافق آپ دو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے والد عبداللہ نے انتقال کیا۔ ثویبہ کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کو مقرر ہوئیں ۔ وہ حضرتؐ کو اپنے گھر (طائف سے جنوب کی طرف) لے گئیں ۔ وہاں آپؐ قبیلہ بنی سعد میں پانچ برس کی عمر تک پرورش پاتے رہے۔ درمیان میں کبھی کبھی حلیمہ آپکی والدہ سے ملانے کے لئے مکہ میں بھی آپ کو لایا کرتی تھیں ۔جب آپ پانچ برس کے ہوگئے تو اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے ۔جب چھ برس کے ہوئے تو آپکی والدہ آپ کو لیکر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے مدینہ گئیں وہاں ایک مہینہ تک مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے بمقام ابوا (جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے) انتقال کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ والدہ کے بعد حضرت عبدالمطلب نے آپ کو پہلے سے زیادہ اپنے دامنِ تربیت میں رکھا ۔ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے تھے مگر آپ آٹھ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب عبدالمطلب کا سایہ بھی اوٹھ گیا ۔ اور وہ آپکی پرورش اپنے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت ابوطالب کو جو آپ کے حقیقی اور باپ سے زیادہ شفیق چچا تھے سپرد کر گئے حضرت ابوطالب ہی

اب خانہ کعبہ کے متولی ہوئے اور وہ اور انکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد حضرتؐ کی پرورش
میں اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محنت اور توجہ کرنے لگیں۔ جب حضرتؐ ۹ سال کے ہوئے تو
حضرت رسولؐ جناب ابوطالب کے ساتھ شام کو تشریف لے گئے جہاں وہ تجارت کی غرض سے
گئے تھے۔ بصرے سے ۶ میل ادھر قریہ کفر میں پہونچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں
اُترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے حضرتؐ کو دیکھکر اور آپ کے حالات و اوصاف پر غور کرکے
کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ پھر آپ کے چچا حضرت ابوطالب سے کہا کہ اسے یہودیوں سے بچانا پس
حضرت ابوطالب بصرے ہی میں اپنا مال تجارت فروخت کرکے مکہ واپس چلے آئے۔ اس کے
کچھ دنوں بعد قریش اور قبیلہ قیس میں ایک مشہور لڑائی حرب فجار ہوئی اس میں حضرت رسولخدا
صلعم بھی قریش کی طرف سے شریک ہوئے۔ بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا۔ جنگ فجار سے لوگ
واپس پھرے تو حلف الفضول ہوا۔ جس میں بنو ہاشم وغیرہ نے معاہدہ کیا کہ ہم میں سے ہر شخص
مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائیگا۔ آنحضرت صلعم بھی اس معاہدہ میں
شریک تھے۔ اس کے بعد تعمیر کعبہ کی تجویز ہوئی کہ موجودہ عمارت ڈھاکر نئے سر سے زیادہ مستحکم
بنائی جائے۔ تمام قریش نے ملکر تعمیر شروع کی مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت
جھگڑا پیدا ہوا۔ آخر یہ طے پایا کہ کل صبح کو جو سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔
صبح ہوئی تو سب سے پہلے حرم میں رسولخدا پہونچے۔ آپ نے فرمایا جو قبائل دعوے دار ہیں سب کا
ایک ایک سردار منتخب کیا جائے۔ پھر آنحضرتؐ نے چادر بچھاکر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا
اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اوٹھائیں۔ جب چادر
موقع کے برابر آ گئی تو حضرتؐ نے حجر اسود کو اوٹھاکر نصب فرما دیا۔ اس طرح آپکی ابتدائی زندگی
میں آپ کے حسن تدبیر سے ایک سخت لڑائی رُک گئی اور آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا اس وقت
عملاً ثابت ہو گیا۔ سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلعم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو اپنے
خاندانی شغل تجارت کو پسند فرمایا [1] کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے

---

[1] حضرت کا پورا خاندان شروع سے تجارت پیشہ رہا اور خود حضرتؐ نے بھی مدت دراز تک اس کو
جاری رکھا۔ پیغمبر ہونے کے بعد بھی اسکی بڑی مدح کی۔ بار بار فرمایا کہ رزق کے دس حصوں سے نو حصے

تجارت کی غرض سے شام و بصرے اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے تھے۔

حضرت خدیجہ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز خاتون تھیں۔ آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلعم سے ملتا ہے۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ نہایت دولت مند تھیں۔ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا انکا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ کی عمر اب ۲۵ برس کی ہو چکی تھی۔ متعدد قومی کاموں میں آپ شریک ہو چکے تھے۔ آپ کے حُسن معاملہ۔ راست بازی۔ صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت تھی یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے ان وجوہ سے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں۔ جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اوس کا مضاعف دونگی۔ آنحضرتؐ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصرے تشریف لے گئے۔ قافلہ تجارت واپس آیا تو لوگوں نے جناب خدیجہ سے آنحضرتؐ کے حُسن معاملہ۔ امانت دیانت وغیرہ کی اس قدر مدح کی کہ تین مہینہ کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرت صلعم کو مکہ میں سب سے زیادہ لائق۔ معزز اور امین سمجھکر حضرتؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ جناب ابوطالب اور آنحضرت صلعم نے اسے منظور کر لیا۔ تاریخ معین پر جناب ابوطالب اور تمام رؤسا رخاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ جناب ابوطالب نے خطبہ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ یہ واقعہ غالباً ۵۹۴ء عیسوی کا ہے۔

مراسم شرک سے اجتناب

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔ ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۲) صرف تجارت میں ہیں۔ مگر افسوس اس زمانہ میں کتنے مسلمان اس شریف پیشے کو حقیر سمجھتے اور غلامی کو ترجیح دیتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو سود پر روپیہ چلائیں گے مگر تجارت نہیں کرینگے۔ کتنے ایسے ہیں کہ جائداد بیچ بیچ کر کھائیں گے مگر تجارت سے شرم کرینگے ۱۲

کا تھا۔ یہ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ یہ امر واقعی طور سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا اُن کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص

نبوت سے پہلے آپ کے جو احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے۔ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ ضماد بن ثعلبہ جو جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے۔ جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک قیس بن سائب مخزومی بھی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ شرکا کے ساتھ آپکا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

گوشہ نشینی

جب حضرت ۳۸ سال کے ہوئے تو گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ کوہ حرا پر جس کو جبل ثور بھی کہتے ہیں اور جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے تشریف لے جاتے اور ایک غار میں جو چار ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا تھا بیٹھکر خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے اور ذکر حق میں مشغول رہتے۔ وہیں کھانا لے جاتے۔ دو دو چار چار شبانہ روز وہاں رہتے اور پورا ماہ رمضان تو وہیں گزارتے۔

بعثت

جب آپکی عمر چالیس سال کی ہو چکی تو ایک دن اسی عالم تنہائی میں حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرء باسم ربک الذی خلق الایہ۔ قرآن مجید کا یہی سورہ سب سے پہلے نازل ہوا۔ یہ ۲۷ رجب (غالباً ۶۱۹ء) کا واقعہ ہے پھر آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا گیا۔ حضرت خدیجہ اور حضرت علیؑ نے بھی اسی روز اپنے ایمان کو ظاہر کر کے آپ کے ساتھ نماز جماعت پڑھی۔ پھر زید بن حارثہ حضرتؐ کے آزاد کردہ غلام مسلمان ہوئے۔ پھر اور لوگ مسلمان ہونے لگے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں:-

"سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پُر خطر راز کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کے لئے وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ کے صدق دعوے کا

قطعی فیصلہ کر سکتے تھے ۔ یہ لوگ حضرت خدیجہ آپ کی حرم محترم تھیں ۔ حضرت علی تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے ۔ زید تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے ۔ حضرت ابوبکر تھے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۵۰) جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت علی نے پہلے ایمان ظاہر کیا اس کے بعد جناب زید اور ان کے بعد خلیفہ اول صاحب مسلمان ہوئے ۔ ممدوح لکھتے ہیں "جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا ۔ نہایت احتیاط کی جاتی تھی محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے لہ نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرتؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے" (ایضاً صفحہ ۱۵۱)" تین برس تک آنحضرتؐ نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا ۲ لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا ۔ صاف حکم آیا فاصدع بما تومر ۔ اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے اور نیز حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا ۔ تو آپ نے حضرت ابوطالب کے گھر میں چالیس آدمیوں کی دعوت کی ۔ جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے آپ نے فرمایا میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے ۔ جو کچھ میں تم سے کہوں گا تم اُس کا یقین کر دگے ؟ سب نے کہا ہاں ۔ ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں ۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار رہو اور میں اس کو اپنا بھائی ۔ وصی ۔ وزیر اور خلیفہ مقرر کردوں یہ سنکر سب چپ ہو رہے مگر حضرت علی جو اُس وقت کم و بیش تیرہ سال کے تھے اس خاموشی کی تاب نہ لاسکے اور نہایت جواں مردی سے بولے یا رسول اللہ! میں آپکا وزیر ہوں گا جو آپ حکم کرینگے میں اسکی تعمیل کروں گا ۔ آپ کی مدد کروں گا ۔ آپ کے دشمنوں کی آنکھیں

لہ و ۲ یہ سب باتیں مانی جاتی ہیں پھر بھی تقیہ پر دھواں دھار اعتراض کیا جاتا ہے حالانکہ تقیہ بھی یہی ہے کہ انسان دشمن کے خوف سے اپنے دین کو پوشیدہ رکھے اور اس کے متعلق ایسی احتیاط کی جائے کہ مخالف کو خبر نہ ہونے پائے جس کا حکم خدا اور رسولؐ برابر دیتے رہے ۱۲

نکال ڈالوں گا اور انکے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کریں۔ تین مرتبہ حضرت نے اپنے اسی قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علی اسی طرح کلمات اطاعت و فرماں برداری دہراتے رہے۔ آخری مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کو اپنے پاس بلایا۔ بیعت لی۔ ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا لوگو! دیکھو اب تم لوگوں میں یہی علی میرے بھائی۔ میرے وزیر۔ میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب ان کی بات ماننا اور انکی اطاعت کرتے رہنا۔ قریش یہ سنکر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور حضرت ابوطالب سے کہا کہ علی کو سلام کرو اور ان کا حکم مانا کرو۔ پھر سب چلے گئے۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۔ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۰۵۔ تاریخ گبن جلد ۳ صفحہ ۴۹۹۔ کتاب اوکلی صفحہ ۱۵۔ کتاب کارلائل صفحہ ۷۹ کتاب ایرونگ صفحہ ۳۷۔ کتاب گلمن صفحہ ۸۳۔ کتاب ڈیون پورٹ صفحہ ۵ وغیرہ)

قریش کی مخالفت

"اعلان رسالت کا کرنا تھا اور قریش کا دشمن ہو جانا خصوصاً بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بن حرب اور خود آپ کا چچا ابولہب آپ کے دشمنِ جان ہو گئے۔ ابوسفیان کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام بھی آپ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ آپ کے دشمن طرح طرح سے آپ کو رنج وایذا پہونچاتے۔ کبھی رستہ میں گندگی ڈال دیتے۔ کبھی کانٹے بچھا دیتے۔ ساحر اور مجنون کہکر چھیڑتے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں گلے میں چادر ڈال کر گلا بھی گھونٹ دیا ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ مسلمان ہوتے ان کو طرح طرح کے عذاب کرتے اور مارتے۔ مگر حضرتؐ نے ان تمام مصائب کی کچھ پروا نہ کی۔ برابر وعظ اور دعوتِ اسلام کرتے رہے جب کفار کا ظلم مسلمانوں پر حد سے گزر گیا اور جانوں کے لاگو ہو گئے تو ۵ھ بعثت میں حضرت نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ نجاشی (صحمہ) نہایت منصف و عادل اور نسطوری فرقہ کا عیسائی تھا۔ اسی قریب سنو مرد و عورتوں کے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کفار مکہ کو خبر ہوئی تو عمارہ بن ربیعہ اور عمرو عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا اور تحائف پیش کر کے بکمال منت ان کو واپس کر دینے کی درخواست کی مگر نجاشی نے منظور نہ کیا اور وہ خائب و خاسر واپس آئے۔ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ دعوتِ اسلام کرتے رہے اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوتے رہے۔ الخ

قریش نے اور زیادہ ستانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ کوہ صفا پر ارقم کے مکان میں جا چھپے یہیں حضرت حمزہ اور پھر حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ واقعہ ۶ بعثت کا تھا۔ انھیں دنوں میں حضرت ابوبکر کے اصرار پر آنحضرت مسجد کعبہ میں تشریف لائے اور ابوبکر خطبہ پڑھنے لگے۔ کفار نے حضرت ابوبکر کو لاتوں اور جوتیوں سے خوب مارا۔ حضرتؐ وار ارقم میں واپس چلے آئے۔ اسی دن حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت عمر نے بھی خانہ کعبہ کی طرف جانے پر مجبور کیا۔ حضرتؐ گئے۔ کفار مزاحم ہوئے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور حضرت عمر نے ان کو ہٹا دیا۔ اور آپ نے دار ارقم کی طرف مراجعت کی۔ مگر اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑکی۔ وہ ابوطالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا محمد ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے۔ اُسے ہمارے حوالہ کردو کہ ہم اُسے قتل کریں یا ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوجاؤ۔ ابوطالب نے آپ کو بلا کر سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو بُرا کہنا چھوڑ دو۔ آپ نے جواب دیا کہ اے چچا جو کچھ میں کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ کسی کے دھمکانے سے میں اس سے باز نہیں آسکتا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو بہتر ورنہ نصرت آسمانی میرے لئے کافی ہے" (تاریخ اسلام صلا۱۴) حضرتؐ نے اس موقع پر جس توکل کو ظاہر کیا اسکی مثال ملنا مشکل ہے۔" آنحضرتؐ نے دیکھا کہ اب ان (ابوطالب) کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا"۔

آنحضرتؐ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کرسکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں؟ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کے سوا اور کیا خیال کرسکتا ہے؟ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عقبہ بن ربیعہ قریش کی طرف

سے آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا محمد کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست! کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں قل انما انا بشر مثلکم یوحےٰ الیّ انما الھکم الٰہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ۔ اے محمد کہہ دو کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اوسکی طرف جاؤ اور اوسی سے معافی مانگو۔ عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا... قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کئے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑ کر عرب کی تیز دھوپ۔ ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے وہاں غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے۔ لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے۔ پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ مگر حضرت ابوطالب آپ سے یہی کہتے رہے کہ جس کام پر تم مامور ہو کئے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اوٹھا کر بھی دیکھ نہ سکے گا اور محرم ۷ بعثت (غالباً ۶۱۶ء) میں بنو ہاشم کے چالیس آدمیوں کے ساتھ آپ کو اپنے شعب میں لے گئے اور تین برس تک ٹکے رہے۔ ۱۰ بعثت (غالباً ۶۱۹ء) میں پانچ قریشیوں کو اپنے شعب کے عزیزوں پر ترس آیا اور انھوں نے اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کیا۔ جس سبب سے یہ عہد توڑا گیا وہ حضرتؐ کا ایک زبردست معجزہ ہے کیونکہ اس سے آپ پر وحی نازل ہونے اور خدا کی طرف سے علم غیب حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے کہ حضرتؐ تو شعب میں مقید تھے۔ باہر کے حالات کی خبر ظاہری طور سے پہونچنے کا کوئی سامان نہیں تھا۔ مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس اہم واقعہ کو بھی نظر انداز کر دیا (ہم اس کو مختصر طور پر حضرت ابوطالب کے حالات میں اوپر لکھ آئے ہیں) شعب کے محصورین بطور سابق مکہ میں آکر رہنے لگے۔ اس کے کچھ دنوں بعد بعض مہاجرین حبشہ بھی واپس آگئے۔ بعض چھپکر داخل ہوئے اور بعض کسی کی حمایت میں جا کر مقیم ہوئے۔ شعب سے نکلے ہوئے نواں مہینہ تھا کہ حضرت ابوطالب نے اور اُن کے تین دن بعد حضرت خدیجہ نے انتقال کیا۔

قریش اب نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں

جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آ کر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحب زادی نے دیکھا تو پانی لیکر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوشِ محبت سے روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ جان پدر رو نہیں خدا تیرے باپ کو بچالیگا۔ اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی۔ اس لئے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوتِ اسلام فرمائیں کہ شاید وہاں کے بنی ثقیف خدا ترسی کرکے اس دین کو قبول کریں اور حضرتؐ کی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔ زید بن حارثہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ وہاں پہونچکر حضرتؐ نے وعظ فرمایا مگر وہ لوگ بھی آپ کے درپے ایذا رسانی ہو گئے اور آپ کو پتھر مار کر نکال دیا۔ حضرتؐ نہایت شکستہ دلی کی حالت میں مکہ کی طرف واپس آئے اور مطعم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ مگر پھر بھی یہاں اشاعت اسلام کا موقع نہ ملتا تھا بلکہ صرف رجب اور ذی الحجہ میں جن میں لڑنا حرام ہے حضرتؐ ظاہر ہوتے اور وعظ فرماتے۔ میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرتؐ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ آنحضرتؐ کی راہ میں کانٹے بچھاتے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کر گردنِ مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپ کی روحانی قوتِ اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوے نبوت سنکر مجنون کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے۔ نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے رسول اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو گالیاں دیتے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسا، قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ بجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو انکی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جاکر حضرت فاطمہؑ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اُس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں (صحیح بخاری باب الطہارۃ)... غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں سرورِ عالم نے کیا کیا؟

خباب نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ انکے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے۔ تو آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۱۸۵)

ایک روز موسم عمرہ رجب میں حضرت عقبہ منا میں کھڑے تھے۔ مدینہ کے چھ خزرجی آپ کا وعظ سنکر مسلمان ہو گئے اور مدینہ پہونچکر اپنے بھائی بندوں میں آپ کا اور اسلام کا چرچا پھیلایا (سنہ۱۱ بعثت)۔ انھیں میں کے ۵ خزرجی ۷ دوسرے مدینہ والوں کو ساتھ لیکر دوسرے سال (سنہ۱۲ بعثت) کے موسم حج میں آئے وہ بھی اسی عقبہ پر مسلمان ہوگئے اور آپکی حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے مصعب بن عمیر کو نماز پڑھانے اور ابن مکتوم کو قرآن کی تعلیم کرنے کے لئے ان کے ساتھ کر دیا اور اس طرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ اگلے سال (سنہ۱۳ بعثت میں) ۷۲ شخص حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر بمقام منےٰ آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی لہ اور حضرتؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہونگے۔ اور رسول اللہؐ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اُس سے سرتابی نہ کرینگے۔

ہجرت مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرتؐ نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں۔ قریش کو معلوم ہوا تو اونھوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کردی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر اور حضرت علی رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ ادھر قریش نے مسلمانوں کی ایذا رسانی کا عہد واثق کر لیا اور آپ کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرتؐ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انھوں نے دار الندوہ میں اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا شریک

لہ اس سے بھی تقیہ کی حقیت ثابت ہے ۱۲

تھے ۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں ۔ ایک نے کہا محمد کے ہات پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے ۔ دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے ۔ ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ ملکر تلواروں سے اُن کا خاتمہ کر دے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے ۔ اس اخیر رائے پر اتفاق عام ہوگیا اور جھٹ پٹے آکر انھوں نے رسول اللہؐ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کرلیا ۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے ۔ اس لئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرتؐ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے ۔ رسول اللہؐ سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا ۔ اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں ۔ آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی ۔ اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلاکر فرمایا کہ مجھکو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے ۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا ۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھکر سو رہو ۔ صبح کو سب کی امانتیں جاکر واپس دے آنا ۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا ۔ جناب امیرؑ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" (سیرۃ النبیؐ مولوی شبلی صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۹۷)

حضرت علیؑ نے یہ حکم پاکر سجدہ شکر کیا اور یہ اسلام میں پہلا سجدہ شکر ہے ۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اور اُس پر یٰسین فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک پڑھکر ان کافروں کے سروں پر پھینکی اور مجمع میں سے صاف نکل گئے کسی نے حضرتؐ کو نہ پہچانا ۔ آخر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر میں گھسے اور آپکی چارپائی کے پاس آئے حضرت علیؑ فوراً چارپائی سے کود کر اُن کے سامنے ہوئے ۔ اُنھوں نے پوچھا محمد کہاں ہیں؟ حضرت علیؑ نے گرج کر جواب دیا خدا بہتر جانتا ہے جہاں ہیں ۔ خدا کی پناہ میں ہیں ۔ یہ کہکر ان کے سامنے سے چل دیئے ۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کو روکتا یا آزار پہنچاتا ۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت علی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے مگر کوئی بھی مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا ۔ سب بھاگ گئے (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) ۔ جب حضرت علیؑ بستر نبوی پر سوئے تو خدا نے جبرئیل و میکائیل کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتۂ برادرانہ قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر نسبت

دوسرے کے طویل کی۔ پس تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سنکر جبرئیلؑ و میکائیلؑ نے اپنی اپنی زندگانی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالمجھوۃ کو گوارا نہ کیا تب خدا نے پھر انکی جانب وحی فرمائی کہ کیا تم دونوں علی ابن ابی طالب کی طرح نہیں ہوسکتے؟ دیکھو میں نے محمدؐ اور علیؑ میں مواخات قائم کی اور علیؑ اس وقت بستر نبیؐ پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ ایثار بالمجھوۃ کر کے اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں۔ اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور شر اعدا سے علیؑ کی حفاظت کرو پس بحکم الٰہی دونوں ملک مقرب نے نازل ہوکر بستر علیؑ کے سرہانے اور پائینتی قرار لیا اور جبرئیلؑ فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابو طالب کے بیٹے جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ ملئکہ پر خود فخر و مباہات فرماتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالےٰ نے اپنے رسول مقبول پر جب کہ وہ مدینہ جارہے تھے علیؑ کی شان میں یہ آیت نازل فرمائی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ یعنی لوگوں میں ایسے نیک بندے بھی ہیں جو خدا کی رضاجوئی کے لئے اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۶۷ و اسد الغابہ و احیاء العلوم در روضۃ الاحباب و حبیب السیر و مدارج النبوۃ وغیرہ) صبح کو کفار بارادہ قتل مکان میں گھسے تو حضرتؐ کی جگہ حضرت علیؑ کو پایا۔ خائب و خاسر واپس آئے اور آپکی تلاش میں مصروف ہوئے۔ غار تک پہونچے مگر پتا نہ ملا۔ آنحضرتؐ کے جانے کے بعد حضرت ابو بکر آنحضرتؐ کو تلاش کرتے پہونچے اور حضرت علیؑ سے حضرتؐ کو پوچھا آپ نے کہا حضرتؐ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ سنکر آپ بھی حضرت صلعم کے پیچھے دوڑے اور راستہ میں حضرتؐ کے قریب جا پہونچے۔ رسول اللہؐ نے اس اندھیری رات میں حضرت ابوبکر کی آہٹ سنی تو سمجھے کہ مشرکین سے کوئی آرہا ہے۔ یہ سمجھکر حضرتؐ جلدی جلدی آگے چلنے لگے یہاں تک کہ بند نعل ٹوٹ گیا اور پاؤں کے انگوٹھے سے پتھر کی ٹھوکر سے بکثرت خون جاری ہوا۔ پھر حضرتؐ اور زور سے دوڑنے لگے۔ اس پر حضرت ابو بکر نے بلند آواز سے حضرتؐ کو پکارا۔ حضرتؐ کھڑے ہوگئے یہاں تک کہ حضرت ابو بکر آگئے اور پوچھا یا حضرت میں بھی آپکے ساتھ چلوں؟ حضرتؐ نے اجازت دی تو آپ بھی چلنے لگے یہاں تک کہ غار میں پہنچ گئے۔ یہ غارِ ثور مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پڑھائی میل جنوب کو واقع ہے۔ جب حضرت

ابو بکر حضرت رسولخدا صلعم کے پاس پہنچے ہیں تو حضرتؐ کی خدمت میں دو اونٹنیاں پیش کیں کہ ان سے جو پسند ہو اپنی سواری کے لئے قبول فرمالیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اس شرط سے کہ قیمت پر دو۔ حضرت ابو بکر فوراً راضی ہو گئے اور دو سو درہم کی ایک اونٹنی حضرت کے ہاتھ (سات سو درہم نفع لیکر) نوسو درہم کو بیچ دی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۷۴) غرض دونوں بزرگ غارِ ثور میں داخل ہوئے۔ وہاں سانپ تھا جس نے حضرت ابو بکر کے پاؤں میں کاٹ کھایا۔ رسولخدا صلعم نے اپنا لعاب دہن لگا دیا تو اچھا ہو گیا۔ صبح ہوئی تو تعاقب کرنے والے کفار مکہ پاؤں کے نشان پہچانتے ہوئے آن پہونچے مگر اللہ کی قدرت غار کے منہ پر مکڑی کے جالے پیدا ہو گئے۔ کفار یہ حالت دیکھکر سمجھے کہ بھلا اس میں کوئی کیا چھپا ہو گا۔ وہاں سے مڑکر دوسری طرف تلاش کرنے لگے۔ حضرت ابو بکر ان کفار کی آواز سُنکر کانپنے لگے اور کہا کہ اے رسولخداؐ ہمارا تعاقب کرنے والے تو بہت اور ہم صرف دو ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اور بہت کتابوں میں ہے کہ حضرت ابو بکر سانپ کے کاٹنے کی تکلیف سے رو رہے تھے۔ پنجشنبہ کا دن گزر کر رات کو یکم ربیع الاول تھی کہ قریش نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن غار میں پہنچے۔ یکشنبہ ۴ ربیع الاول تک غار میں رہے۔ حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لئے کھانا پانی پہونچاتے رہے۔ چوتھے روز ۵ ربیع الاول روز دوشنبہ کو عبد اللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی حاضر ہوئے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑکر بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر یا آپکا سر لے کر آئیگا اوسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس پر سراقہ بن مالک حضرتؐ کو کھوجتا ہوا پہنچا۔ اسے دیکھکر حضرت ابو بکر رونے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا روتے کیوں ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ سراقہ قریب آیا تو اوس پر ایسی ہیبت چھائی کہ واپس گیا اور کہہ دیا کہ مجھے محمدؐ کا پتا کہیں نہیں لگا۔

قبا میں حضرتؐ کا پہنچنا حضرتؐ ۸ یا ۱۲ ربیع الاول کو مقام قبا میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے۔ یہاں ایک مقام پر حضرتؐ کا اونٹ خود بخود بیٹھ گیا اور آگے نہ چلا۔ آپ اُتر پڑے۔ وہاں کے رہنے والوں

نے جوشِ مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ آنحضرتؐ کو قبا میں آئے ہوئے تین دن ہوئے تھے کہ حضرت علیؑ پا پیادہ مکہ سے (کل امانتیں وغیرہ واپس کرنے کے بعد) آکر حاضر خدمت ہوئے آنحضرتؐ اپنے بھائی۔ وزیر۔ وصی اور خلیفہ کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور سینہ سے لپٹا لیا مگر پاؤں پر ورم اور حالت تباہ دیکھکر بہت روئے۔ اسی وقت حضرت علیؑ کے پاؤں سے لہو بہتا تھا۔ حضرتؐ نے قبا میں ۴ دن قیام کیا۔ یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرنا تھا۔ کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آکر عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اوسی وزن کا دوسرا پتھر اوٹھا لیتے۔ ۴ دن کے بعد آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۶ ربیع الاول روز جمعہ کو اس میں داخل ہو گئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا تھا جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابو ایوب انصاری کا گھر تھا یہیں حضرتؐ اتر پڑے آنحضرتؐ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبوی اور اس پاس کے حجرے طیار ہو گئے تو آپ نے نقل مکان فرمایا اور زید بن حارثہ و ابو رافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہؑ وغیرہ کو مدینہ لے آئیں۔ ان سب کے آنے پر حضرتؐ اپنے گھر میں رہنے لگے۔

مسجد نبوی مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ ایک زمین دو یتیموں کی تھی۔ آپ نے فرمایا میں یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہوں۔ یتیموں نے اپنی کائنات مفت نذر کرنی چاہی لیکن حضرتؐ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو ایوب انصاری نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہِ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھا۔ صحابہ پتھر اوٹھا اوٹھا کر لاتے آنحضرتؐ بھی ان کے ساتھ اوٹھاتے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ کچی اینٹوں کی دیواریں۔ برگ خرما کا چھپر۔ کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمال

جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ اُن لوگوں کے لئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج کے لئے مکان بنوائے۔ یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف کرتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص۲) یہ مکانات چھ چھ سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

بعض اصحاب کے دروازے مسجد نبوی کی جانب تھے۔ رسول مقبول نے حضرت علیؑ کے سوا سب اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے دروازوں کو بند کر دیں۔ اس پر کچھ اصحاب نے چہ می گوئیاں کیں تو آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا کے حکم سے تم لوگوں کے دروازے بند کر دیئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ لہذا اس باب میں تم کو چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ جو کچھ خدا نے حکم دیا میں نے اسکی تعمیل کی (خصائص نسائی و ازالۃ الخفار جلد ۲ ص ۲۶۲)

نماز و زکوۃ آنحضرتؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے ایک ماہ بعد نماز پنجگانہ کی ۱۷ رکعتیں قرار پائیں۔ اس سے پہلے ہر وقت کی (سوائے مغرب کے) دو دو رکعتیں تھیں۔ ابن خلدون کے مطابق اسی سال زکوۃ بھی فرض ہوئی۔

اذان اسی سنہ ہجری (سنہ ۶۲۲ء) میں اذان بھی مقرر کی گئی کیونکہ کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب جبریل اذان کا حکم لیکر رسول اللہؐ پر نازل ہوئے تو اوس وقت حضرتؐ کا سر مبارک جناب امیرؑ کی گود میں تھا۔ جناب جبرئیل نے اذان و اقامت کہی جب رسول اللہؐ بیدار ہوئے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سنا۔ عرض کی ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کر دو۔ پس حضرت علیؑ نے بلال کو بلا کر اذان تعلیم کر دی اور اوسی وقت سے بلال موذن مقرر ہو گئے۔

مسٹر چیمبر نے اپنی انسائکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "موذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین اور دلکش ہوتی ہے اگرچہ شہر کے دن کے شور و غل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوشگوار

معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبر کو اس امر پر مبارک باد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُس نے انسانی آواز کو موسائیوں کی قرنی اور عیسائیوں کے گرجا کی گھنٹی پر ترجیح دی" (انسائکلو پیڈیا جلد ۶ ذکر مذہب اسلام) لہ

عقد مواخات ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد حضرت رسولخدا صلعم نے مہاجرین مکہ کی دلبستگی اور تقویت کے لئے ایک عجیب تمدنی انتظام کیا۔ ایک ایک مہاجر (مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے) کا ایک ایک انصاری (جو لوگ مدینہ کے باشندے اور اب مسلمان ہو گئے تھے) سے بھائی چارہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۴۵ یا ۵۰ مہاجرین کا بھائی چارہ ۴۵ یا ۵۰ انصار کے ساتھ کر دیا جس نے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہر حال میں ہمدرد اور شریک بنا دیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ سے بھی معلوم ہو گا کہ خدا نے آنحضرت صلعم کو اعلےٰ انسانیت سکھانے اور دنیوی زندگی کو بہترین عنوان سے برتنے کی تعلیم دینے کا کس قدر زبردست اور بے مثل و نظیر سلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شاہنشاہی ہے ... جن لوگوں میں رشتہ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لئے ضرور ہے۔ تفحص اور استقصار سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا۔ اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سیکڑوں اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شانِ نبوت کی خصوصیات میں سے ہے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۲۱۲)

لہ حضرت رسولخدا صلعم کے زمانہ میں اذان میں کلمہ الصلوۃ خیر من النوم نہیں تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں سوتے تھے۔ مؤذن نماز صبح کے لئے جگانے کو آیا تو اپنے طور پر کہا اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نیند سے بہتر نماز ہے) حضرت عمر جگ گئے اور آپ کو یہ کلمہ پسند آ گیا تو موذن کو حکم دیا کہ اس کلمہ کو نماز میں داخل کر دو۔ جب سے یہ بھی داخل اذان ہو گیا (ازالۃ الخفاء صـ۹۰ مقصد ۲)

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ کے مذاق کا کوئی شخص آنحضرتؐ کو نہ مہاجرین میں ملا نہ انصار میں۔ حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہ اور میں کس کا بھائی بنایا گیا؟ فرمایا انت اخی فی الدنیا والآخرۃ۔ اے علیؑ دنیا و آخرت میں تمہارا بھائی تو میں ہوں (کسی اور کو یہ وصف نہیں مل سکتا) حضرت علیؑ کوفہ میں منبر پر فرمایا کرتے تھے انا عبد اللہ واخو رسول اللہ۔ میں خدا کا بندہ اور رسولِ خدا کا بھائی ہوں (ابوالفداء جلد ۱ ص۱۲۷) لہ

ایرونگ لکھتا ہے کہ "اس دانائی اور سادگی کے اصول سے اُس سلطنت کی بنیاد پڑی جو قلیل مدت میں بہت عظیم الشان طاقت حاصل کرنے والی اور دنیا کی زبردست سے زبردست سلطنتوں کی ہلا دینے والی تھی" (تاریخ اسلام جلد ۲ ص۱۶۷)

اصحاب صفہ صفہ سائبان کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے کنارے مسجد سے ملا ہوا ایک سائبان طیار کر کے بعض نادار اور بے سازوسامان اصحاب کو اسی سائبان میں آباد کر دیا گیا تھا اسی سے وہ لوگ اصحاب صفہ کہے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو انکو بلا کر ساتھ کھا لیتے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب ایک دفعہ جناب سیدہ نے حضرتؐ سے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں مجھکو ایک کنیز عنایت ہو تو حضرتؐ نے فرمایا بیٹی ان کنیزوں سے تم کو کیسے دوں۔ اصحاب صفہ بھوکوں مر رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہ لیا کرو یہ تمہارے لئے لونڈی سے بہتر ہوگی۔ یہ تسبیح زہراؑ آج تک جاری اور ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے اصحاب صفہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ تک پہنچی تھی۔

لہ ہجرت سے پہلے بھی مکہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے وہاں کے مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کیا تھا اور اس میں (۱) حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا (۲) طلحہ کو زبیر کا (۳) حضرت عثمان کو عبد الرحمان بن عوف کا اور (۴) جناب حمزہ کو زید بن حارثہ کا بھائی بنایا تھا۔ اُس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہارا بھائی میں ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۳۹۸ و ریاض نضرہ جلد ۲ ص۱۶)

اوس وخزرج

اوس وقت مدینہ میں دو قسم کے مسلمان تھے۔ ایک مہاجرین (جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے) دوسرے انصار جو مدینہ کے باشندے تھے اور اسلام قبول کرلیا تھا۔ انصار زیادہ تر دو زبردست قبیلوں اوس وخزرج سے تھے جو اسلام سے پہلے بت پرست تھے۔ یہ اگرچہ دو بھائیوں کی اولاد سے تھے مگر ان میں مدت دراز سے شدید عداوت قائم تھی۔ اسلام نے ان میں اتحاد کردیا اور ان کے فتنہ وفساد کو رد کردیا۔

مدینہ کے یہود ونصاریٰ

مدینہ کے اکثر عیسائی بھی آنحضرتؐ کی ہدایت سے مسلمان ہوگئے مگر یہودیوں نے جو مالدار اور قوی بھی تھے شدید مخالفت کی تو حضرت رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے صلح کرلی۔

حضرت عائشہ کا زفاف

سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک ماہ بعد آنحضرت صلعم نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا تھا۔ اور اوسی سال حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ سے بھی نکاح ہوا مگر اوس وقت زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ مدینہ پہونچنے پر سنہ ۱ ہجری میں اُن سے زفاف بھی ہوا۔

سنہ ۲ ہجری نکاح جناب سیدہؑ

۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری مطابق سنہ ۶۲۳ء کو جناب امیرؑ کا نکاح جناب سیدہ سے ہوا اور ۱۹ ذی الحجہ کی شب میں جناب سیدہؑ کی رخصتی جناب امیرؑ کے گھر ہوئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت فاطمہ.. کی شادی کے پیغام آنے لگے تھے... سب سے پہلے ابوبکر نے آنحضرتؐ سے درخواست کی آپ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی انکو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے[1]... حضرت علیؑ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں

[1] مولوی شبلی صاحب نے ترجمہ میں اختصار سے کام لیا۔ حضرت ابوبکر کے سوال پر آنحضرتؐ کو اتنا غصہ ہوا کہ آپ نے انکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا میں تو ہلاک ہوگیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کہا میں نے فاطمہ سے شادی کا پیغام دیا تو حضرت نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر نے بھی جاکر درخواست کی اس پر بھی آنحضرت اس درجہ غضبناک ہوئے کہ انکی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) علامہ

یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا اور حطیتہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ہات آئی تھی۔ عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر وہ اسکی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ تھی۔ زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ کے نذر کیا۔ حضرت علی اب تک آنحضرتؐ کے ہی پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی الگ گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری ... نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہ اس میں اوٹھ گئیں۔ شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک۔ دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں جالیں تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہات اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے [۱] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۲۹۶)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۸) ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرتؐ نے صاف انکار بھی کر دیا (اسد الغابہ) مگر حضرت علیؑ سے بغیر آپکی درخواست کے خود فرمایا کہ اے علیؑ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؑ کی شادی تم سے کر دوں۔ تم کو بھی منظور ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا ہاں۔ اور دونوں میں شادی ہو گئی (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مصر)

[۱] یہ معلوم ہے کہ حضرت رسولخداؐ کا خاندان دنیا بھر کے خاندانوں سے افضل ہے لہذا آنحضرتؐ کا مطلب ہوا کہ اے فاطمہ میں نے تمہارا نکاح اوس شخص سے کیا جو دنیا بھر سے افضل ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اُس وقت جس قدر صحابہ موجود تھے ان سب سے حضرت علیؑ افضل تھے۔ اور کیوں نہ ایسے ہوتے کہ حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے نفس اور دونوں بزرگ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے تھے ۱۲

اُس وقت جناب سیدہ کی عمر دس سال اور حضرت علی کی ۲۴ سال کے قریب تھی۔
ہجرت کے دوسرے ہی سال (سنہ ۶۲۳ء) ماہ شعبان میں نماز کا رخ کعبہ کی جانب کرکے اُسی کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں اور آنحضرت صلعم کے مدینے میں آنے کے بعد ڈیڑھ برس تک نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی جاتی تھی۔
اسی سال (سنہ ۲ ہجری مطابق جنوری سنہ ۶۲۴ء) ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ عید الفطر کی نماز بھی اسی سال سے جاری ہوئی۔

حکم جہاد اسی سال آنحضرتؐ کو حکم جہاد بھی ہوا۔ حفاظت خود اختیاری عقل کا ضروری حکم ہے۔ آنحضرتؐ کو بھی حکم جہاد محض اسی اصول پر ہوا۔ زمانہ حال کے ایک مؤلف نے سچ لکھا ہے "کوئی ہوس ملک گیری ان لڑائیوں کا باعث نہ تھی اور نہ مذہب اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا ان سے مقصود تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مد نظر تھا۔ مطالعہ کنندگان تاریخ کو بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ کفار مکہ کو رسول کریم اور ان کے اصحاب سے کس قدر بغض اور عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث کیا تکلیفیں اور اذیتیں انھوں نے رسول خدا اور صحابہ کو پہنچائی تھیں۔ ہرچند ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کثیر نے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر دوسری مرتبہ باقی ماندہ لوگ مدینہ کو ہجرت کرکے چلے آئے مگر کفار کا غصہ فرو نہ ہوا اور آخر کار وہ رسول کریم کے قتل کے درپے ہوئے اور مکہ سے نکل آنے پر بھی تلاش کی کوشش جاری رہی۔ ان حالات میں رسول کریم کا ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ میں مع رفقاء کے آجانا اور یہاں کے لوگوں کا آپکی مدد کرنا انکی سخت ناگواری کا باعث ہوا۔ اور جو عداوت مہاجرین مکہ سے ان کو تھی وہ مدینہ کے انصار کے ساتھ بھی ہوگئی اور سب سے بڑا خوف کفار مکہ کو یہ تھا کہ اگر مسلمان زیادہ قوی ہوجائیں گے تو مکہ پر حملہ کرینگے۔ اس کے علاوہ مدینہ کے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ بھی انصار سے ناراض ہوگئے۔ چنانچہ چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو چلے گئے اور قریش سے جا ملے ایسی حالت میں رسول کریم اور مہاجرین و انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کے واسطے اس کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ امور ذیل کو اختیار کرتے (۱) اس بات

کی خبر رکھنا کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں (۲) جو قومیں کہ مدینہ میں یا اُس کے ارد گرد رہتی ہیں ان سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا اور عہد شکنی کی حالت میں اُن سے مقابلہ کرنا (۳) جو مسلمان مکہ میں بمجبوری رہ گئے تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت کرنا (۴) جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کر وہ مدینہ پر آنے والا ہے تو ہتھیاروں سے اُس کا مقابلہ کرنا۔ غزوات و سریات مابعد میں معلوم ہوگا کہ ہر لڑائی کے واسطے کوئی نہ کوئی وجہ ان امور چارگانہ سے ضرور تھی" (المرتضیٰ از تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۷۹)۔ جہاد دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک وہ جس میں آنحضرت خود شریک ہوتے تھے وہ غزوہ کہلاتا ہے۔ دوسرا وہ جس میں آپ خود نہ جاتے تھے بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام کر کے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں۔

غزوۂ ابواء صفر ۲ ہجری (سنہ ۶۲۴ء)

ابواء مدینہ سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کا قبیلہ بنی ضمرہ مسلمانوں کو ایذا دینے کی غرض سے قریش کے ساتھ متفق ہوا تھا۔ آپ نے دو سو آدمی سے چڑھائی کی۔ لڑائی نہیں ہوئی بلکہ اس شرط پر صلح ہوگئی کہ بنی ضمرہ نہ قریش کا ساتھ دینگے نہ مسلمانوں کا۔ یہ اول غزوہ ہے۔ حضرت حمزہ اس کے علم بردار تھے۔ قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤساء سے تھا مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت کے مویشی لوٹ لئے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچکر نکل گیا تھا۔

غزوہ ذو العشیرہ جمادی الآخر سنہ ۲ ہجری (سنہ ۶۲۴ء)

آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذو العشیرہ پہنچکر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے۔

سریہ بطن نخلہ رجب ۲ھ (سنہ ۶۲۴ء)

عبد اللہ بن جحش کو ۱۲ آدمیوں کے ساتھ حضرت نے بطن نخلہ کی طرف بھیجا کہ قریش کے حالات کا پتا لگا کر آنحضرت کو اطلاع دیں۔ عبد اللہ نے خود ان پر حملہ کر دیا۔ اس میں ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ عبد اللہ نے واپس آکر یہ حال بیان کیا اور

مالِ غنیمت پیش کیا۔ آنحضرت نے سُنا تو نہایت غضب ناک ہوکر فرمایا۔ میں نے تم کو اسکی اجازت نہیں دی تھی اور مال غنیمت بھی واپس کردیا۔ اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کردیا۔ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ مگر حضرت رسولخدا صلعم کی ذات اس سے بری تھی۔ البتہ ایک صحابی اس کے باعث ہوئے اُس کا الزام آنحضرت صلعم پر کسی طرح نہیں ہوسکتا۔

غزوۂ بدر ماہ رمضان ۲ھ (۶۲۴ع) مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر بدر ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہونچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سُننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس۳۰ سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لارہا ہے (اس طرح مسلمان دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں گے) حضرت رسولخدا ۳۱۳ ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر جا اُترے۔ قریش ۹۵۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کو روانہ ہوئے لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں کو خدا نے مدد دی جس سے یہ فتح یاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے ۷۰ ہی اسیر ہوئے۔ ۳۶ کافروں کو صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اُس کا بھائی عاص۔ اور عتبہ۔ شیبہ۔ ولید بن عتبہ۔ نیز اسلام کے دوسرے بہت سے بڑے بڑے دشمن مارے گئے۔ اس غزوہ کے علم بردار حضرت علی تھے۔ قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کردیئے گئے اور باقی لوگوں کو زر فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ مغربی مورخین کو حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی لیکن تائید ایزدی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ اس غزوہ میں مسلمان بہت کم اور کفار بہت زیادہ تھے۔ اس سبب سے آنحضرت صلعم گھبرا گھبرا کر خدا سے دعا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر کہتے تھے اے رسول کیوں پریشان ہوتے ہیں خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ بلکہ حضرت کے ساتھ ایک عریشہ (سایہ بان) میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس غزوہ میں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا تم لوگ مشورہ دو۔ حضرت ابوبکر نے کہا مقام بدر تک ہمارے ان کے درمیان دو منزل کا فرق رہیگا۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اب کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے کہا یا حضرت یہ قریش ہیں

اور انکی عزت معلوم ہے۔ خدا کی قسم جب سے ان کو عزت ملی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان نہیں لائے۔ خدا کی قسم وہ آپ سے پورا مقابلہ کرینگے۔ حضرت عمر کے اس قول پر حضرتؐ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ حضرتؐ نے فرمایا مجھے مشورہ دو۔ تب جناب مقداد نے کہا کہ ہم تو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسٰے سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا اور تم دونوں لڑو۔ ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ قسم اس خدا کی جس نے آپکو مبعوث بحق کیا ہے۔ ہم آپ کے سامنے رہیں گے اور آپ کے پیچھے رہیں گے اور آپکی داہنی طرف اور بائیں طرف رہیں گے یہاں تک کہ خدا آپ کو فتح دے (تفسیر درمنثور جلد ۳ صہ ۱۶۶) اس پر آنحضرتؐ مسکرائے اور مقداد کو دعائے خیر دی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صہ ۱۰۰) اسیران جنگ سے آنحضرتؐ نے نہایت اچھا سلوک کیا۔ ایک شخص سہیل عام مجمعوں میں آنحضرتؐ کے خلاف تقریریں کرتا تھا حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا میں اگر اس کے اعضاء بگاڑوں گا تو خدا اسکی جزا میں میرے اعضاء بھی بگاڑے گا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صہ ۲۴۱)۔ غزوۂ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لئے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔

غزوہ سویق غزوۂ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا جو اثر ہوا کیوں کر بیان ہو کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ ان کا سردار ابو سفیان ایک فوج لیکر ذی الحجہ ۲ھ (۶۲۴ء) میں آنحضرتؐ سے لڑنے کو نکلا اور مدینہ کے قریب آکر ایک انصاری کو قتل کر کے کچھ مکانوں میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو تعاقب کیا مگر ابو سفیان بھاگ گیا۔

غزوہ احد شوال ۳ھ (۶۲۵ء) جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے ابو سفیان نے ۳ ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا عکرمہ ابن ابوجہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ حضرت صلعم کے ساتھ پورے ہزار آدمی بھی نہیں تھے۔ احد پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرت صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ لڑائی فتح ہو جائے مگر پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ خلاف حکم رسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں وہاں سے ہٹ آیا۔ غرض فتح کی شکست ہو گئی حضرت حمزہ شہید ہو گئے۔ سب مسلمان حضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت

عثمان تک فرار کر گئے۔ اس اثنار میں ایک گوپیئے کے پتھر سے آنحضرتؐ کے دو دندان مبارک شہید ہو گئے اور ایک پتھر سے پیشانی مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے زخم بھی آئے اور آپؐ گڑھے میں جا پڑے۔ اُس وقت حضرت علی جہاد میں مصروف تھے اور کبھی کبھی حضرتؐ کو دیکھ بھی جاتے تھے۔ آخر مرتبہ کفار کو ہٹا کر حضرت کو پہاڑی کے اوپر لے گئے رات ہو گئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ ابوسفیان اس خوف سے کہ آنحضرتؐ اہل مدینہ کے ساتھ دوبارہ حملہ نہ کریں مکہ کو واپس گیا۔ اس جنگ میں ۷۰ مسلمان مارے گئے اور ۷۰ ہی زخمی ہوئے۔ کفار صرف ۲۰ یا ۲۲ مارے گئے جن میں سے ۱۲ کو صرف حضرت علی نے قتل کیا۔ اس جنگ میں بھی علمبردار حضرت علی تھے۔ حضرت ابوبکر جب غزوہ احد کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور کہتے کہ غزوہ احد سے میں بھی بھاگا اور سب سے پہلے لوٹ کر میں ہی آیا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص۴۴۵ و کنز العمال جلد ۵ ص۲۷۵ وغیرہ) اور حضرت عمر کہتے تھے کہ غزوۂ احد میں ہم لوگ بھاگ گئے تو میں فرار کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں بُز کوہی کی طرح اُچکتا پھرتا تھا (تفسیر درمنثور جلد ۲ ص۸۸ و طبری جلد ۴ ص۹ و کنز العمال جلد ۱ ص۲۳۸) مگر حضرت علی برابر جاں نثاری میں مشغول رہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی تم کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی کیا میں ایمان لانے کے بعد کافر ہو جاتا؟ مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے۔

اس جنگ میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسولِ خداؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی۔ تین دفعہ ایسا ہی ہوا۔ جس وقت حضرت علی نے یہ شجاعت دکھائی اور آنحضرت کی اس طرح مدد کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی اپنی تعریف سنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار[1] اور اس کے بعد جبرئیل نے حضرت صلعم سے کہا اے محمدؐ یہ کمال مواسات و جوانمردی ہے جو علی مرتضیٰ تم سے کرتے ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ اس پر جبرئیل بولے اور میں تم دونوں سے ہوں۔ صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ اگر ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ہم وغم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی (اے محمدؐ تم علیؑ کو پکارو کہ وہ مظہر العجائب ہیں تم ان کو مصیبتوں کے وقت اپنا ناصر و غمگسار پاؤ گے قریب ہے کہ ہر ہم و غم زائل ہو جائے بہ سبب تمہاری نبوت کے اے محمدؐ اور بہ سبب تمہاری ولایت کے اے علی) بھی اس معرکہ میں نازل ہوئی ہے مگر مشہور یہ ہے کہ

[1] یہ غیبی آواز سنائی دی کہ لا سیف الا ذوالفقار ولا فتیٰ الا علی (تاریخ کامل جلد ۲ ص۵۸)

جنگ خیبر میں نازل ہوئی ہے کہ حضرت علی کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں اور مدینہ میں رہ گئے تھے۔ آنحضرتؐ کے نادعلی پڑھتے ہی حاضر ہوئے۔ حضرت علی نے حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت ایسا ادا کیا کہ مافوق اس سے متصور نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت علی سے روایت ہے کہ فرمایا جنگ احد میں سولہ ضرب تلوار کی مجھے پہونچی کہ ان کی چار ضربوں سے میں زمین پر گر پڑا۔ اور ہر بار جب میں زمین پر گرتا تھا ایک مرد خوبصورت نیک خو میرا بازو پکڑتا اور کہتا تھا کہ کافروں کی طرف متوجہ ہو کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ جب بعد جنگ حضرت علی نے آنحضرتؐ سے یہ حال بیان کیا تو حضرتؐ نے فرمایا اے علی خدا تمہاری آنکھوں کو روشن رکھے وہ جبریل تھے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صـ۱۵۳) حضرت علی نے باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور آپ زخمی ہو گئے تھے کفار پر حملہ کر کے سب کو شکست دی۔ اس وقت جبریل نازل ہوئے اور حضرت رسو لخداؐ سے پوچھا یہ کس نے ابھی کفار سے جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہاۃ کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علی تھے (تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۴۳۶) ۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت علی تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صـ۲۷۱) حضرت رسو لخدا صلعم کے زخمی ہونے سے شور ہو گیا تھا کہ حضرتؐ بھی شہید ہو گئے۔" آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہونچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہرا نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علی سپر میں پانی بھر کر لائے۔ جناب سیدہ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا (سیرۃ النبیؐ صـ۲۷۹)۔ "خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ ان کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ ہند امیر معویہ کی ماں نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اس لئے اگل دینا پڑا۔ تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے" (سیرۃ النبی صـ۲۸۰) "آنحضرت مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہ کا کوئی

نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا اما حمزۃ فلا بواکی لہ لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سُنے تو تڑپ اوٹھے۔ سب نے جاکر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جاکر حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعاے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکرگزار ہوں" (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۸۳)

غزوہ حمراء الاسد شوال ۳ھ (۶۲۵ء) غزوۂ احد کے بعد آنحضرت صلعم مدینہ واپس آئے تو پتا ملا کہ کفار مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ حضرتؐ اسی طرح روانہ ہوگئے۔ علم حضرت علی مرتضیٰ کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرت کی خبر سُنکر مکہ کو واپس گئے (طبری جلد ۳ ص ۲۸)

سریہ ابوسلمہ محرم ۴ھ (۶۲۵ء) خبر ملی کہ بنواسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرتؐ نے ابوسلمہ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ ابوسلمہ نے حملہ کرکے بنواسد کو بھگادیا۔

سریہ عبداللہ بن انیس محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن انیس کو مقابلہ پر بھیجا۔ انھوں نے سفیان کو قتل کیا۔

واقعہ رجیع قبیلہ عضل و قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر کہا کہ ہماری ہدایت کے لئے کسی کو بھیج دیجئے۔ آنحضرتؐ نے عاصم کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ رستے میں ان لوگوں نے بدعہدی کرکے عاصم کو قتل کرنا چاہا اس پر مسلمانوں کو ان سے لڑنا پڑا۔ چار مارے گئے اور تین مقید ہوئے۔

واقعہ بیر معونہ صفر ۴ھ (۶۲۵ء) میں ابوبرار کلابی نے آکر آنحضرتؐ سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرتؐ نے ستر انصار کو بھیج دیا ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرتؐ کا خط دیکر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کردیا پھر بڑا لشکر لے کر آیا اور کل صحابہ کو قتل کردیا (طبری جلد ۳ ص ۳۳)

غزوہ بنو نضیر عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور اُن کا خوں بہا ایک واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ کے لئے آنحضرت صلعم کچھ اصحاب کے ساتھ بنونضیر کے

پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھکر آنحضرت صلعم پر پتھر گرادے۔ حضرتؐ کو یہ راز معلوم ہوگیا۔ فوراً مدینہ کو واپس آئے (تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۷)

غزوۂ ذات الرقاع قبیلۂ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو آنحضرتؐ جمادی الاولے ۴ھ میں کئی سو صحابیوں کے ساتھ ذات الرقاع تک گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے۔

غزوۂ بدر ثانی غزوۂ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان کہتا گیا تھا کہ آیندہ سال ہم لوگ پھر آئیں گے تو اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا کہ کفار قریش کے ساما سے مسلمانوں کو ڈرادے۔ اس پر آنحضرتؐ ایک جماعت کے ساتھ بدر تک گئے۔ اس غزوہ کے علمدار بھی حضرت علی تھے مگر کفار نہیں آئے نہ لڑائی ہوئی۔

غزوۂ دومۃ الجندل دومۃ الجندل کے سردار نے لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے تھے۔ آنحضرت ۵ھ میں انھیں منع کرنے کو نکلے تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ بنی مصطلق ایک قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ر شعبان ۵ھ ہجری کو آنحضرت انکی طرف گئے۔ لڑائی ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے اس غزوہ میں بھی حضرت علیؑ ہی علم بردار تھے۔

واقعہ افک اسی غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت حضرت عائشہ کا (جو اس سفر میں آنحضرت کے ساتھ تھیں) گلوبند کہیں گر پڑا۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ حضرت رسولخدا سے کہتیں حضرتؐ تلاش فرماتے مگر اس کے ڈھونڈھنے کو وہ بغیر کسی کو خبر کئے قافلہ سے خود پیچھے رہ گئیں۔ ایک شخص جو چیزوں کی دیکھ بھال کے لئے پیچھے رہتا تھا وہ انھیں اپنے اونٹ پر بٹھا کرلایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت عائشہ کو اس کے ساتھ متہم کردیا حضرت رسولخدا صلعم کو بھی شک ہوگیا اور بہت دنوں تک حضرت عائشہ سے کشیدہ ہے۔ پھر فرمایا "مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں" (امہات الامہ ص ۶۶)

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق یہود بنی نضیر جو خیبر میں جلاوطن ہوئے تھے آنحضرت سے انتقام لینے کے درپے تھے ان میں سے ۲۰ شخصوں نے مکہ جاکر ابوسفیان کو ملالیا اور پھر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبائل میں جاکر اُن کو اپنا شریک کرلیا غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں طیار ہوکر مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضرتؐ مدینہ سے نکلے اور کوہ سلع کو پشت پر رکھکر سامنے کی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق جناب سلمان فارسی کی صلاح سے کھُدوائی۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ سردی بڑی سخت تھی۔ ایک رات حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ جاکر قریش کی خبر لاؤ۔ انھوں نے کہا استغفر اللہ و رسولہ مجھے معاف رکھیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جاسکتے ہو مگر ممدوح نہیں گئے۔ پھر حضرتؐ نے فرمایا اے عمر تم جاکر خبر لاؤ۔ انھوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور اسکے رسول سے معافی چاہتا ہوں۔ تب فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر درمنثور جلد ۵ ص۱۸۵)۔ کافروں نے ہر طرف سے محاصرہ کرلیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے خاصکر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزار بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمر نے اسکی بہادری بیان کرکے مسلمانوں کو اور ڈرادیا۔ ایک دن وہ خندق پھلانگ کر آگیا۔ فوج اسلام میں سے باوجود مبارزطلبی عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلا صرف حضرت علی بار بار اوٹھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں" ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور پکارا۔ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علی نے اوٹھکر کہا میں۔ لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علی نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے۔ غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علی نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی:۔

حضرت علی:۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو:۔ یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت علی:۔ لڑائی سے واپس جا۔ عمرو:۔ میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سُن سکتا۔
حضرت علی:۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا اور کہا مجھکو یہ امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اُتر آیا۔ پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے نام بتایا۔ کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا تلوار نکالی اور آگے بڑھکر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوبکر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ حضرت علی کو ذو القرنین بھی کہتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ آپکی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ انکی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علی نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۱۴)۔ جناب امیرؑ عمرو بن عبد ود کے مقابلہ میں نکلے تو آنحضرتؐ نے فرمایا برز الایمان کلہ الی الشرک کلہ پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکل پڑا ہے (حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۲۳۸ وسیرۃ محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۲)۔ غزوۂ خندق میں حضرت علی سے ایسی شجاعت۔ بہادری اور وہ کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسولخداؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علی کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہیگی۔ نیز حضرت رسول مقبول نے حضرت علی کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذو الفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳) حضرت علی نے عمرو کو قتل کر کے دستور عرب کے مطابق اس کے اسباب نہیں لئے۔ اسکی بہن بھائی کی لاش پر آئی اور دیکھا تو کہا ما قتلہ الا کفوء کریم۔ میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی شریف اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا لوگوں نے کہا علی۔ اسوقت اس نے یہ شعر کہے ؎

لو کان قاتل عمرو غیر قاتلہ ⁂ لکنت ابکی علیہ آخر الابد
لکن قاتلہ من لا یعاب بہ ⁂ من کان یدعیٰ قدیما بیضۃ البلد

اگر عمرو کا قاتل علی کے سوا کوئی ہوتا تو میں اپنے بھائی پر زندگی بھر روتی رہتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ بزرگ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب)

کہتے آئے ہیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۴۸۵) جب حضرت علی معرکہ جنگ سر کر کے واپس آئے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اٹھکر حضرت علی کا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۱۶۳ اور روضۃ الصفاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)

غزوہ بنو قریظہ خندق کے بعد آنحضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ھ ہجری میں گئے لشکر کا علم حضرت علی کو عنایت کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲)

سریہ سیف البحر ۵ھ ہجری میں ابوعبیدہ کی ماتحتی میں ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا۔

غزوہ بنو لحیان رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کے لئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی گروہ بھاگ گئے۔

غزوہ ذی قرد ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑ لے گیا تو ربیع الاول ۶ھ ہجری میں آنحضرتؐ چلے گروہ مل گئیں تو واپس آئے۔

سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ھ میں آنحضرتؐ نے عبدالرحمن بن عوف کو ہدایت کے لئے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔

سریہ فدک شعبان ۶ھ ہجری میں خبر ملی کہ بنو بکر اور یہودان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہتے ہیں۔ حضرتؐ نے حضرت علی کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اور مسلمان مال غنیمت لے کر پلٹے۔

سریہ وادی القریٰ جناب زید شام جاتے تھے وادی القریٰ کے پاس بنو فزارہ نے لوٹ لیا تو وہ مدینہ واپس آکر مدد لے گئے اور کامیاب ہوئے۔

سریہ عرنیہ عرینہ کے کچھ شریر آنحضرتؐ کے غلام یسار کو ہلاک کر کے بہت اونٹ بھگا لے گئے آنحضرتؐ نے لوگوں کو بھیجکر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری (۶۲۸ء) میں حج کے ارادہ سے آنحضرتؐ مکہ کی طرف چلے قریش کو خبر ہوئی تو روکا۔ حضرتؐ ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے اور مرنے مارنے پر اور کبھی جنگ سے نہ ہٹنے پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والے اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ قریش کے ایلچی عروہ نے کہا اس سال آپ حج کو نہ جائیں۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا خدا کی قسم میں ایسے پھرے اور ان اوباش لوگوں